بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ غسلِ رجلین

وضو میں پاؤں دھونا قرآن وحدیث کی روشنی میں

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سیّد محمد حسین شاہ صاحب نیلوی

• سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی انڈیا • سابق صدر مدرس ومفتی جامعہ عربیہ ضیاء العلوم سرگودھا

• حال شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم محمدیہ حسینیہ سرگودھا

ناشر

گلستان پرنٹنگ پریس

کچہری بازار بلاک نمبر 5 سرگودھا

Gulistan Printing Press

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ غسلِ رِجلین

وضو میں پاؤں دھونا

قرآن و حدیث کی روشنی میں

از قلم

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا مفتی سیّد محمد حسین شاہ صاحب نیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

حال شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم محمدیہ حسینیہ سرگودھا

یکے از مطبوعات

گلستان پرنٹنگ پریس سرگودھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَمَّا بَعْدُ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىْ كَلَامِهِ الْمَجِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ○ (۵ : ۶) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

مومنو! جب تم (بے وضو ہو اور) نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے دھولیا کرو اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح بھی کیا کرو اور اپنے پاؤں بھی ٹخنوں سمیت دھولیا کرو۔

اس آیتِ کریمہ میں وضو کے چار فرض بیان کیے گئے ہیں: ① چہرہ دھونا ② کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا ③ سر کا مسح کرنا ④ ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا

اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل فرمایا اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی اسی کا حکم فرمایا چنانچہ

(۱) حضرت رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ بن عَفراء رضی اللہ عنہا نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: "...حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں تین تین دفعہ دھوئے۔"
(دیکھیے ابوداؤد ص ۱۹، بیہقی ص ۷۲)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وضو کا طریقہ

گلستان پرنٹنگ پریس
بلاک نمبر 5 گلی اسلحہ والی کچہری بازار سرگودھا

دریافت کرنے پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں پانی منگوا کر وضو فرمایا۔ (وضو کے آخر میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پاؤں تین تین بار دھوئے اور ارشاد فرمایا کہ وضو اس طرح ہوتا ہے۔ (ابوداؤد ص ۲۰)

③ حضرت عمرو بن عَبَسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے وقت ٹخنوں سمیت اپنے دونوں پاؤں دھویا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (بیہقی ص ۷۱)

④ حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وضو فرماتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو اپنے ہاتھ کی چھنگلی سے مل کر دھو رہے تھے۔ (ترمذی ص ۱۶ ، ابوداؤد ص ۲۲)

⑤ حضرت ابو عبدالرحمٰن حُبلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان والی جگہ کو چھنگلی کے ساتھ ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ (بیہقی ص ۷۶)

⑥ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قرار قیسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل رجلیه بیدیه کلیهما یعنی اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ (نسائی ص ۳۰)

⑦ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے...... آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ (نسائی ص ۲۹)

⑧ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب وضو کرو تو ہاتھوں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا کرو۔ (ترمذی ص ۱۶، نسائی ص ۳۱، کنزالعمال ص ۳۰۰، ۳۰۱)

⑨ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو مکمل وضو کیا کرو اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی تمام اُنگلیوں کے درمیان پانی ڈالا کرو۔ (کنزالعمال ص ۳۰۵ ج ۹)

⑩ حضرت لقیط بن صَبِرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم وضو کرو تو انگلیوں کے درمیان خلال کر لیا کرو۔ (ترمذی ص ۱۶، نسائی ص ۳۱، کنزالعمال ص ۳۰۱)

● حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں وضو کے دَوران پاؤں کے دھونے اور انگلیوں کے درمیان خلال کرنے کا حکم فرمایا ہے، تو وہاں خلال نہ کرنے والوں کے لیے قیامت میں عذاب کی وعید بھی سُنائی چنانچہ

⑪ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (وضو کرتے وقت) ہاتھوں اور پاؤں کی اُنگلیوں کا خِلال ضرور کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان انگلیوں کا خِلال آگ کے ساتھ کرے۔ (کنزالعمال ص ۳۰۱ ج ۹)

⑫ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ اوپر والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہُوا ہے۔ (دیکھیے ترمذی ص ۱۶ و کنزالعمال ص ۳۰۱ ج ۹)

⑬ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وضو کے دَوران ہاتھوں، اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان پانی کے ساتھ خلال نہیں کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی انگلیوں کا خلال آگ کے ساتھ کریں گے۔ (کنزالعمال ص ۳۰۰ ج ۹)

دیکھیے حضرت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت سے اِنتہائی

شفقت و محبت فرماتے ہُوئے قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لیے ایک قابلِ گرفت امر کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اور حضرت مشفقِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام ہم تک پہنچانے والی ہستیوں میں حضرت ابوہریرہ۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور حضرت واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی اولوالعزم شخصیات شامل ہیں۔ تو گویا وضو میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا ایک عظیم امر ہے۔ تو اس عظیم امر کی بجا آوری پر حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریفی سند بھی عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ:

(۱۴) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ بہت ممدوح اور قابلِ تحسین و ستائش ہیں جو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال پانی کے ساتھ کرتے ہیں۔ (ترمذی ص ۱۶، کنز العمال ص ۳۰۱ ج ۹)

• اب دیکھیے کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے دوران پاؤں دھونے کی کس قدر فضیلت بیان فرمائی ہے:

(۱۵) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب وضو کرنے والا پاؤں دھوتا ہے تو دونوں پاؤں کے ساتھ لگے ہُوئے گناہ گر جاتے ہیں واذا غسل قدمیہ حط ما اصاب برجلیہ (کنز العمال ج ۹ ص ۲۸۸)

(۱۶) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ۔ اور:

(۱۷) حضرت مرۃ بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قال علیہ الصلوٰۃ والسلام واذا غسل رجلیہ خرجت خطایاہ من رجلیہ (کنز العمال ج ۹ ص ۲۷۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶)

(۱۸) ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاذا غسل رجلیہ سقطت خطایا رجلیہ من بطون قدمیہ دیکھو کنز العمال ج ۹ ص ۲۸۹

(۱۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم یغسل قدمیہ فیتناثر کل خطیئۃ مشت بھا قدماہ (کنز العمال ج ۹ ص ۲۹۰)

• جیسا کہ محسنِ اعظم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا تاکیدی حکم فرمایا ہے اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال نہ کرنے والوں کو وعید فرمائی ہے ایسے ہی وضو میں پاؤں کی ایڑیوں کے خشک رہنے پر بھی جہنم کے عذاب سے ڈرایا اور وعید فرمائی۔ چنانچہ

(۲۰) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

(۲۱) حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

(۲۲) حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ

(۲۳) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسی بزرگ ہستیوں نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وضو پورا پورا کیا کرو، خشک رہ جانے والی ایڑیاں دوزخ کی وادی میں عذاب پائیں گی۔ (دیکھو ترمذی ص ۱۶، کنز العمال ج ۹ ص ۳۰۶)

(۲۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲۵) حضرت ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

(۲۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل فرمایا ہے: ویل للاعقاب من النار (مسلم ص ۱۲۵ ترمذی ص ۱۶، مسند امام اعظم ص ۲۹، کنزل العمال ج ۹ ص ۳۲۵)

(۲۷) حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ۔ اور:

(۲۸) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۹۲)

(۲۹) حضرت عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل فرمایا ہے: ویل للاعقاب وبطون الاقدام من النار یعنی دورانِ وضو خشک رہ جانے والی ایڑیاں اور پاؤں کا نچلا پیٹ یعنی تلوے دوزخ میں عذاب پائیں گے۔ (ترمذی ص ۱۶، ابن کثیر ص ۹۲ کنز العمال ج ۹ ص ۳۲۶) اس حدیث کو بیہقی، مسند احمد و حاکم نے بھی لکھا۔

(۳۰) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نقل ہے: ویل للعراقیب من النار (تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۹۲) نیز

(۳۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی نقل ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے پاؤں میں درہم کے برابر خشک جگہ دیکھی جہاں پانی نہ پہنچا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل للاعقاب من النار

(۳۲) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ ذی شان منقول ہے کہ اسبغوا الوضوء ویل للاعقاب من النار (صحیح مسلم)

(۳۳) اسی طرح اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنھن میں سے کسی ایک نے روایت کی ہے کہ کوئی آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور اس کی پُشتِ پا پر چَوَنّی کی مقدار جگہ خشک رہ گئی تھی جہاں پانی نہیں پہنچا تھا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ وضو کرنے اور نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔ (ابوداؤد ۔ تفسیر ابن کثیر ص ۹۳)

• وضو میں پاؤں دھونا اس قدر اہم چیز ہے۔ دیکھیے کتنی تاکید فرمائی گئی ہے کہ پاؤں کی پُشت پر ایک چَوَنّی کی مقدار جگہ خشک رہ گئی تو حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ وضو کرکے نماز لوٹانے اور دوبارہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک ناخن کی مقدار جگہ خشک رہ جانے پر بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دوبارہ وضو کرکے نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ:

(۳۴) حضرت امیر المؤمنین امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے وضو کیا تو اس کے پاؤں پر ایک ناخن کی مقدار جگہ خشک رہ گئی تو اس پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم فرمایا کہ واپس جاؤ اور احسن طریقے سے دوبارہ وضو کرکے آؤ۔ (مسلم ص ۱۲۵ بیہقی ص ۷۰، کنز العمال ج ۹ ص ۳۰۹، تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۹۳)

(۳۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی وضو کرتے ہی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اس کے قدم پر ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی تھی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واپس جاکر احسن طریقے سے دوبارہ وضو کرکے آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۹۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۰)

• یہاں تک تو تھے ارشاداتِ محسنِ اعظم حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن سے ثابت ہُوا کہ وضو کا چوتھا فرض ٹخنوں تک پاؤں دھونا ہے۔ اور اس میں خاص اہتمام کرنا چاہیے اور ذرا سی کوتاہی اور غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ اگر معمولی سا حصّہ بھی خشک رہ گیا تو اہم فرض ادا نہ ہوگا اور نہ نماز ہی ادا ہوگی۔ یہ تو حکم تھا بھول یا غفلت سے پاؤں کے کسی حصّے کے خشک رہ جانے کا۔ اور جو کوئی قصداً پاؤں نہ دھوئے بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی وضو کے دوران پاؤں دھونے سے منع کرے اور پھر اسی طرح بے وضو نمازیں ادا کرتا رہے تو سوائے ماتھا رگڑنے کے اسے کیا حاصل ہوسکتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی چرب زبانی سے عوام اہلِ اسلام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دیکھو فلاں صحابی کا قول ہے اور یہ دیکھو امام

کا فرمان، اور یہ دیکھو کسی مفسر یا محدّث کا ارشادِ گرامی وغیرہ وغیرہ۔

- تو اس سلسلے میں قرآنِ کریم کی آیت (۵ : ۶) کے بعد احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ روایات پیش کی گئی ہیں جن سے حضرت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ اور حکم مُطابق فرمانِ الٰہی، واضح کیا گیا ہے۔ جو منیب کے لیے تو کافی وافی ہے اور ضدی کے لیے درسِ عبرت ضرور ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔(آمین) اور اب حضرت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ صحبت سے فیض یاب ہونے والے عظیم الشان، اولوالعزم اور جانباز وجانثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے وضو کا طریقہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ خود امام الانبیاء والمرسلین حضرت مُحمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مُختلف فیہ مسئلہ کی تحقیق کے لیے یہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہُوا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے وضو کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ چنانچہ

(۳۶) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہُ اللہُ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمام اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں پاؤں دھونے کے معاملہ میں اتفاق رکھتے ہیں۔ (تفسیر درمنثور للسیوطی ج ۶ ص ۲۹)

(۳۷) حضرت حکم رحمہُ اللہُ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مُسلمانوں کا طریقہ وضو میں پاؤں دھونے کا ہی چلا آرہا ہے۔ دیکھیے تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۲۹۔

(۳۸) حضرت عطاء رحمہُ اللہُ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے وضو کے دَوران کسی کو بھی پاؤں پر مسح کرتے ہُوئے نہیں دیکھا۔ (تفسیر دُرِمنثور ج ۶ ص ۲۹ و تنسیق النظام ص ۳۰)

(۳۹) حضرت حافظ ابن حجر رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے پاؤں دھونے میں اختلاف ثابت نہیں۔

(۴۰) حضرت علامہ مُحدّث ابن العربی رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُمّت نے اس بات پر اِتّفاق کیا ہے کہ وضو میں پاؤں دھونا واجب (یعنی فرض) ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے اس سے اِختلاف کیا ہو سوائے ابنِ جریر (ابنِ رستم شیعہ) اور فرقہ رافضہ کے۔ شیخ عبدالحق مُحدّث دہلوی رحمہُ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

- نیز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے شاگردوں کے سامنے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہُوئے طریقے کے مُطابق وضو کرکے دکھلاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ چنانچہ :

(۴۱) حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو کرکے دکھایا، جس میں دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے وضو کرتے ہُوئے اسی طرح دیکھا ہے۔ (مسلم ص ۱۲۶)

(۴۲) امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرکے دکھایا، جس میں آپ نے دونوں پاؤں بھی دھوئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہُوئے دیکھا ہے، جس طرح سے تم نے وضو کرتے ہُوئے مجھے دیکھا ہے۔ (دیکھیے : مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۹۔ نیز دیکھیے: ابوداؤد ص ۱۶)

(۴۳) امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پانی منگواکر حاضرین کو وضو کرکے دِکھایا، اس میں انھوں نے پہلے دایاں پھر بایاں پاؤں تین تین بار دھوکر فرمایا : جس کو اچھا لگے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ معلوم کرے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وضو کا طریقہ یہی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۷۔ ابوداؤد ص ۱۶)

(۴۴) حاکیِ وضوءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم

رضی اللہ عنہ نے وضو کرکے دِکھایا۔ انھوں نے بھی وضو کے دَوران اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ (ابوداؤد ص ۱۸)

(۴۵) امیرالمومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو وضو کرکے دِکھایا' کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔ اور انھوں نے بھی دونوں پاؤں تین تین بار دھوئے۔ (ابوداؤد ص ۱۸)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امیرالمومنین سیدنا علی، رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم سر اور پاؤں کا مسح فرمایا کرتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی وضو میں پاؤں دھویا ہی کرتے تھے بلکہ وضو کرتے ہُوئے پاؤں دھو کر لوگوں کو بھی دکھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کرنے کا طریقہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ:

(۴۶) امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد حضرت ابوحیہ بن قیس وداعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ٹخنوں سمیت پاؤں دھوتے ہُوئے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میں تمھیں تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دکھاؤں تو وہ وضو یہی ہے۔ (ابوداؤد ص ۱۷، نسائی ص ۲۸ و ۳۱، ابن ماجہ ص ۳۶، ترمذی ص ۱۷، طحاوی ص ۲۱، بیہقی ص ۷۵/۱)

(۴۷) امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دُوسرے شاگرد حضرت عبدخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رحبہ (کھلے میدان) میں تشریف فرما ہُوئے اور ایک لڑکے سے فرمایا کہ جاکر پانی کا لوٹا لے آؤ۔ لڑکے نے پانی کا لوٹا لاکر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وضو فرمانا شروع کیا اور ہم انھیں دیکھتے رہے آخر میں آپ نے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر دائیں ہاتھ سے دائیں پاؤں پر تین بار ڈالا اور خوب دھویا۔ پھر اسی طرح تھوڑا تھوڑا پانی لے کر دائیں

ہاتھ سے بائیں پاؤں پر بھی تین بار ڈالا اور اسے بھی خوب دھویا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر چلّو میں پانی لے کر پی لیا۔ پھر فرمایا کہ حضرت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ یہی تھا۔ اور جو کوئی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ دیکھنا چاہتا ہو تو وہ دیکھ لے۔ یہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کرنے کا طریقہ۔ (دیکھیے دارقطنی ص ۳۳، طحاوی ص ۲۱ ج ۱)

(۴۸) امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تیسرے شاگرد حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپؓ پہلے تو دُور جاکر قضائے حاجت سے فارغ ہُوئے۔ پھر آپؓ نے دریافت فرمایا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ وضو کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے۔ جب وہ حاضر ہُوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو شروع فرمایا۔ سب سے پہلے آپؓ نے تین مرتبہ دونوں ہاتھ دھوئے .... اور آخر میں تین تین مرتبہ دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔ (دیکھیے سنن ابی داؤد ص ۱۶۔ اور السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۷۴ و ۷۵)

(۴۹) امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چوتھے شاگرد حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کو وضو فرماتے ہُوئے دیکھا ہے۔ اس میں بھی پاؤں دھونے کا ذِکر موجود ہے۔ دیکھیے ابوداؤد ص ۱۷

(۵۰) امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پانچویں شاگرد، رأسُ المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد وضو کے لیے پانی کا برتن منگوایا۔ ہم نے پانی کا برتن لاکر پیش کیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ: اے ابنِ عباسؓ! کیا میں آپ کو نہ دکھاؤں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کس طرح فرمایا کرتے تھے؟ تو میں نے عرض کی کہ ضرور دکھائیے۔ اِس پر آپؓ نے برتن سے پانی لے کر اپنے ہاتھ دھوئے...... پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے اور پانی کا چُلو لے کر پاؤں پر ڈالا' جبکہ پاؤں میں چپّل بھی ڈالے ہُوئے تھے۔ پھر پاؤں کو اچھی طرح مَلا پھر دُوسرے پاؤں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ (ابوداؤد ص ۱۷)

(۵۱) امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے چھٹے شاگرد حضرت حارث اعور رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اغسلوا القدمین الی الکعبین کما امرتم (ابن کثیر ج ۲ ص ۹۴) یعنی اپنے دونوں قدم ٹخنوں سمیت دھویا کرو جس طرح تم کو شارع کی طرف سے حکم ملا ہے۔

(۵۲) امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتویں شاگرد جو آپؓ کے اپنے صاحبزادے، سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سیّد شباب اہل الجنّۃ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میرے ابّا جان نے مُجھ سے وضو کے لیے پانی منگوایا۔ میں حسبُ الارشاد وضو کا پانی لایا تو پھر آپ نے وضو فرمایا ...... پھر آپؓ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ پہلے اپنا دایاں پاؤں تین مرتبہ ٹخنوں سمیت دھویا۔ پھر بایاں پاؤں ٹخنوں سمیت تین مرتبہ دھویا...... پھر فرمایا کہ میں تمھارے بڑے ابا جان حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہُوئے دیکھتا تھا جس طرح میں نے

کیا ہے۔ (نسائی ص ۲۸)

- اب آپ کو یقین آگیا ہوگا کہ امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا وضو میں پاؤں دھونے کا ہی معمول رہا ہے اور پاؤں پر مسح کرنا آپؓ کا معمول نہ تھا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ جس طرح میں خود وضو کرتا ہوں ایسے ہی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وضو فرماتے تھے یعنی وضو میں پاؤں دھوتے تھے۔

(۵۳) اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لان یقطعا احب الیّ من ان امسح علی القدمین (شیخ زادہ ج ۲ ص ۹۸) یعنی میرے نزدیک پاؤں پر مسح کرنے سے ان کا کٹ جانا زیادہ پسندیدہ ہے۔

- اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول بھی وضو میں پاؤں دھونا ہی تھا، پاؤں پر مسح کرنا آپ کا بھی معمول نہ تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وضو کے لیے پانی کا لوٹا منگواکر وضو کیا تھا اور اس میں آپ نے پاؤں بھی دھوئے تو مَل مَل کر دھوئے تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے پاؤں دھونے پر کوئی اِعتراض نہیں فرمایا۔ اور ان کو وضو میں پاؤں دھوتے ہُوئے دیکھ کر یوں نہیں فرمایا کہ: بھائی جان! آپ تو نہانے کے بعد وضو کرنے کو بھی اسراف سمجھتے ہیں تو وضو میں پاؤں دھونا کیا اِسراف نہیں ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں دھونے پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی پاؤں دھونے کو وضو کا جزو سمجھتے تھے اور پاؤں پر مسح کرنے کے قائل نہ تھے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کیونکہ:

(۵۴) حضرت عطاء بن یسار رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اِرشاد فرمایا تھا کہ حضرت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ

تمہیں نہ دکھاؤں ؟ - پھر آپؓ نے وضو کر کے دکھایا...... ایک مرتبہ سر کا مسح فرمایا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۷۲)

○ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ چلّو میں تھوڑا تھوڑا پانی لے کر آپ اپنے پاؤں پر ڈالتے رہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۷۲) مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۸)

○ ایک روایت میں ہے کہ آپ پاؤں پر چھینٹا دیتے رہے، یہاں تک کہ پاؤں کو دھو دیا۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے ہوئے بھی میں نے اسی طرح سے دیکھا ہے۔ (حوالہ مندرجہ بالا)

● **تو یہ روایات بھی صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول بھی وضو میں پاؤں دھونے کا ہی تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا۔**

(۵۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اور شاگرد حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ نقل فرماتے ہیں کہ...... پھر آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے.... پھر میں اُٹھ کھڑا ہوا اور میں نے بھی اسی طرح وضو کیا جس طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۶۹)

(۵۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اور شاگرد حضرت صالح مولیٰ التوءمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی آپؓ سے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل فرماتے ہیں: خلّل اصابع یدیك ورجلیك یعنی اسباغ الوضوء۔ کہ پورا اور کامل وضو کرنے میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا کرو۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۸۷)

● اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال اُس وقت

ہی ممکن ہے جب کہ ہاتھ پاؤں دھوئے جائیں گے۔

● اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی روایت ہمارے اس مضمون میں روایت نمبر ۳۵ کے تحت ص ۹ پر گزر چکی ہے کہ "ایک آدمی وضو کرتے ہی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے قدم پر ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی تھی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واپس جاکر احسن طریقے سے دوبارہ وضو کر کے آؤ۔"

● تو ان مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ حضرت امیر المومنین سیدنا علی، رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف پاؤں پر مسح کرنے کی نسبت کرتے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ تینوں حضرات وضو میں پاؤں دھویا کرتے تھے اور ان کا یہی معمول رہا ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی پاؤں مبارک دھوئے اور اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہی فرمایا اور ان کو وضو میں پاؤں دھو کر دکھایا بھی ہے اور سکھایا بھی، تاکہ پاؤں کی خشکی کو دیکھ کر پانی بھی زیادہ خرچ نہ کریں بلکہ تھوڑا تھوڑا پانی پاؤں پر ڈال کر خوب مل مل کر پاؤں دھوئیں۔ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال بھی کریں، اور پاؤں پر کوئی حصّہ خشک بھی نہ رہے خواہ وہ ایک بال کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

وضو کے متعلق آیتِ کریمہ کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بوسیلۂ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وضو کرنے کا طریقہ اس طرح بتلایا ہے: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ (۵: ۶)
اور اسے دو طرح سے پڑھنے کا حکم ملتا ہے۔ یعنی اَرْجُلَكُمْ لام کے فتحہ کے ساتھ بھی اور اَرْجُلِكُمْ لام کے کسرہ کے ساتھ بھی۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱)
چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا عبد اللہ بن عباس اور امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاوہ بڑے بڑے مشہور قراء مثلاً حضرت عاصم، حضرت نافع، حضرت ابن عامر، حضرت حفص، حضرت کیسائی، حضرت یعقوب، حضرت مجاهد، حضرت عطاء، حضرت عبد الرحمٰن الاعرج، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن غیلان، حضرت ولید بن حسان ثوری، حضرت ابو محمد یحییٰ بن اسحٰق بن یزید الحضرمی، حضرت ابراہیم بن یزید تیمی، حضرت ابو بکر بن عیاش، حضرت اعشیٰ اور حضرت عروۃ بن زبیرؓ بن عوام رحمہم اللہ تعالیٰ وَاَرْجُلَكُمْ لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہی روایت مشہور اور قطعی ہے، جس میں کسی دوسرے معنی کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۷۰)

اور قواعدِ عربیہ کی رو سے اَرْجُلَكُمْ (لام کے فتحہ کے ساتھ) کا عطف اَیْدِیَكُمْ پر قرباً، اور وُجُوْهَكُمْ پر بُعداً ہے اور وُجُوْهَكُمْ سے پہلے جو فعل ہے فَاغْسِلُوْا وہ تینوں (وُجُوْهَكُمْ، اَیْدِیَكُمْ، اَرْجُلَكُمْ) کے ساتھ لگے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا: اِغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاغْسِلُوْا اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَاغْسِلُوْا اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ۔ یعنی اپنے اپنے چہروں کو بھی دھوو، اور کہنیوں سمیت اپنے اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی دھوو اور ٹخنوں سمیت اپنے اپنے دونوں پاؤں بھی دھوو۔

عربیہ کا قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ کا جو حکم ہوتا ہے وہی حکم معطوف کا ہوتا ہے اس قاعدہ کی رو سے کہا جائے گا کہ وُجُوْهَكُمْ اور اَیْدِیَكُمْ کا حکم دھونے کا تھا تو وہی حکم اَرْجُلَكُمْ کا ہوگا۔ اسی لیے امام النحاۃ حضرت ابو زکریا یحییٰ بن زیاد الفراء النحوی (متوفی ۲۰۷ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ نے معانی القرآن ج ۱ ص ۳۰۲ میں تحریر فرمایا ہے وارجلکم مردودۃ علی الوجوہ یعنی ارجلکم کا حکم وجوهکم پر لوٹتا ہے کہ جیسے چہرہ کے دھونے کا حکم ہے ایسے ہی دونوں پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔

اس کے بعد حضرت امام فراء رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند (قیس بن الربیع عن عاصم) کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اَرْجُلَكُمْ پڑھا اور کہا مقدم ومؤخر یعنی ارجلکم کا لفظ گو پیچھے ہے مگر اس کا حکم پہلے والا ہے اور دھونے کا حکم ہے اور رؤسکم کا حکم پیچھے والا یعنی مسح کا حکم ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: رجع القرآن الی الغسل یعنی قرآن نے پاؤں کا حکم اَرْجُلَكُمْ لام کے فتحہ کے ساتھ کہ کر غسل کی طرف لوٹایا ہے۔ حضرت مجاهدؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۷۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عُروۃؒ بن زبیرؓ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا ہے: ارجلکم ای رجع الامر الی الغسل یعنی پاؤں کا حکم اغسلوا کی طرف لوٹتا ہے (امسحوا کی طرف نہیں لوٹتا) یعنی پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ پاؤں پر مسح کرنے کا حکم نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰ و السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۷۰)

البتہ حضرت ابن کثیرؒ، حمزہؒ اور ابی عمروؒ کا مختار اَرْجُلِكُمْ ہے، لام کے کسرہ کے ساتھ۔ مگر آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یہ بزرگ جو اَرْجُلِكُمْ لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے یہ بھی وضو میں پاؤں دھونے کے ہی قائل تھے اور پاؤں پر مسح نہ کرتے تھے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے: قال الاعمش کانوا یقرأونها بالخفض وکانوا یغسلون یعنی پڑھنے کو تو بے شک ارجلِکم لام کے کسرہ کے ساتھ ہی پڑھتے تھے مگر

اس کے باوجود وضو میں پاؤں دھویا کرتے تھے، پاؤں پر مسح نہ کرتے تھے۔ دیکھیے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۷۱۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ لام کا کسرہ ہو تو پھر اُصولاً وضو میں پاؤں پر مسح کا حکم نکلتا ہے اور پاؤں دھونا خلافِ حکمِ الٰہی معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب عُلماءِ کرام نے کئی طرح سے دیا ہے۔

حضرت امام محمد ابو الحسن علی بن حمزۃ بن عبد اللہ کوفی بغدادی نحوی کسائی (م ۱۸۹ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا ہے: من خفضها فانما هو للمجاورة...... یعنی ارجلکم کا عطف تو وجوھکم پر ہی ہے۔ مگر لام کا کسرہ صرف اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ اس کے پڑوس میں برؤسِکم ہے۔ وہاں سین کا کسرہ تھا اس کی مناسبت سے ارجلِکم کے لام کا بھی کسرہ پڑھا جاتا ہے۔ جیسے عذاب یومٍ الیمٍ میں الیم یوم کی صفت نہیں بلکہ عذاب کی صفت ہے۔ اور الیم کا کسرہ یوم کی وجہ سے ہے جو الیم کے جوار میں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۷۱)

حضرت امام عبد اللہ بن عمر بن محمد بن علی ابو الخیر ناصر الدین بیضاوی (م ۶۸۵ھ یا ۶۹۱) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فائدته التنبيه على انه ينبغى ان يقتصد فى صب الماء عليها ويغسل غسلا يقرب من المسح. کہ کسرہ لاکر اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ وضو کرنے والے کو چاہیے کہ پاؤں پر پانی ڈالتے وقت میانہ روی اختیار کرے پانی ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرے اور اس طرح پاؤں کو دھوئے جو مسح سے قریب قریب ہو۔ (انوار التنزیل المعروف بہ تفسیر بیضاوی ج ص

حضرت شیخ زادہ نے فرمایا کہ جن اعضا کو دھونے کا حکم ہے ان میں سے پاؤں ایسا عضو ہے جس کے دھوتے وقت پانی کے زیادہ لگنے اور اسراف کا مَظِنّہ (احتمال) ہوسکتا ہے۔ اس لیے ممسوح پر عطف ڈال کر متنبہ کر دیا تاکہ وضو کرنے والا پانی کے اسراف سے بچے جو حرام اور منہی عنہ ہے۔ (شیخزادہ علی البیضاوی ج ۲ ص ۹۸)

اور بعض نے کہا کہ ارجلِکم کا عطف رؤسکم پر ہے اور امسحوا بـ

ساتھ لگے گا۔ بایں طور وامسحوا بارجلکم۔ مگر مسح برؤس و مسح بارجل میں فرق ہے۔ اس فرق کو سامنے رکھ کر وامسحوا برؤسکم کے معنے کریں گے اپنے اپنے سروں پر گیلا ہاتھ پھیر دو۔ اور وامسحوا بارجلکم کے معنے یوں کریں گے کہ پاؤں پر تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر اچھی طرح ملو تاکہ کوئی (بال برابر) جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔ تو یہ معنی مسح کا غسل کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غسل خفیف پر مسح کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ:

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں نے جنابت کا غسل کر کے فجر کی نماز پڑھ لی، پھر دیکھا تو ناخن کی مقدار جگہ خشک رہ گئی ہے جہاں پر پانی نہیں پہنچا۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: لو كنت مسحت عليه بيدك اجزاك یعنی اگر تو اس جگہ پر ہلکا سا ہاتھ بھی پھیر لیتا تو یہ کافی ہو جاتا۔ اس کے معنی مرقاۃ میں لکھے ہیں: ای غسلته غسلا خفيفا یعنی اسے خفیف سا دھو لیتا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۹ ج ۱)

بعض نے کہا ہے کہ مسح کے معنی دلک (ملنے) کے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ خُوب مل مل کر پاؤں کو دھوئیے۔ (تفسیر ابنِ کثیر ص

حضرت امام علامہ قاضی ابو البقاء (ایوب) بن سید شریف (موسیٰ) حسینی حنفی کفوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ امام لغت عرب حضرت ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ بصری (متوفی ۲۰۹ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسح کے معنی مس یعنی چھُونے کے ہیں۔ اور مسح کا اِطلاق غسل پر آیا ہے۔ اس لیے جب مسح کی نسبت رأس یعنی سر کی طرف کریں گے تو اس کے معنی مس یعنی چھُونے کے ہوں گے یعنی سر پر گیلا ہاتھ چھُو لیں یا پھیر دیں۔ اور جب مسح کی نسبت رِجل (پاؤں) کی طرف ہو تو اس کے معنی غسل یعنی دھونے کے ہوں گے۔ یعنی پاؤں پر تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر مسل مسل کر دھونا۔ (کلیاب ابو البقاء ص ۳۴۵)

اس کے بعد حضرت علامہ قاضی ابو البقاءؒ نے اعلم کہ کر تنبیہ فرمائی ہے

کہ اسم کا اسم پر عطف بالواو اس مقصد کے لیے ہوتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ہر دو کی مشارکت ہو، صرف جنسِ فعل یا نوعِ فعل میں قطع نظر کم، کیف، وضع، ملک، متیٰ، این، اضافت سے۔ اور کم، کیف وغیرہ میں ان دونوں کا باہم شریک ہونا لازمی امر نہیں۔ اسی لیے وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین کے معنے یہ کریں گے کہ سروں کا مسح کرو اور پاؤں دھوو، کیونکہ قاعدہ بالا کی رو سے عطف اس بات کا موجب نہیں کہ سر کی طرح پاؤں کا بھی مسح کیا جائے، کیونکہ عرب لوگ مسح کا لفظ دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں: (۱) نضح چھڑکنا یا ہاتھ لگانا۔ (۲) غسل (دھونا)، اور یہ دونوں طہارت کی جنس میں سے ہیں۔

اور حضرت ابوزید لغویؒ نے عرب کا محاورہ پیش کیا ہے کہ عرب لوگ اپنے محاورہ میں کہتے ہیں: تمسحت للصلوٰۃ یعنی میں نے نماز کے لیے وضو کیا۔

تو جب مسح کی دو قسمیں ہوئیں تو ہر عضو کے لیے مسح کا وہی معنی لیں گے جو اس عضو کے مناسب اور لائق ہو، اس لیے سر کے مناسب مسح کے معنی ہاتھ لگانے کے ہوں گے یعنی سر پر گیلا ہاتھ پھیرنا۔ اور پاؤں کے مناسب مسح کے معنی غسلِ خفیف کے ہوں گے تو معطوف و معطوف علیہ ہر دو طہارت ہی کی جنس میں سے ہیں، مگر ان ہر دو میں کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے فرق ہے۔ وہ اس طرح کہ سر کے مسح کا تکرار مسنون نہیں ہے اور پاؤں کو تین بار دھونا سُنّت ہے۔ نیز سارے سر کا استیعاب بھی مسح میں ضروری نہیں، البتہ سُنّت ہے، مگر پاؤں اگر ناخن یا بال کی مقدار میں بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔ جیسا کہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۵ اور السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۷۰ میں امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔

اور ایک مفہوم یہ ہے کہ ارجلَکم اور ارجلِکم دونوں قراءتیں بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں اور دونوں واجب العمل ہیں۔ مگر مواقع الگ الگ ہیں، یعنی پاؤں دھونے کا حکم اس وقت ہے جب پاؤں میں موزے نہ ہوں اور

مسح کا حکم اس وقت ہے جب پاؤں میں موزہ یا جرمُوق ہو تو پاؤں دھونا حکمِ قرآنی سے بصراحت ظاہر ہوا، اور **موزوں پر مسح کرنا** قراءۃ ارجلِکم سے بہ تفسیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوا۔ جو متواتر احادیث سے ثابت ہے جس کے راوی اس قدر کثرت سے ہیں کہ ان پر جھوٹ کا گمان نہیں ہو سکتا، جیسے:

(۱) امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ (۲) امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ (۳) امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰؓ
(۴) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ (۵) سیدنا سلمان فارسیؓ (۶) سیدنا انس بن مالکؓ
(۷) سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ (۸) سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ (۹) سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ
(۱۰) سیدنا عمرو بن امیہؓ (۱۱) سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ (۱۲) سیدنا بلال بن رباحؓ
(۱۳) سیدنا بُریدہ بن حُصیبؓ (۱۴) سیدنا صفوان بن عسالؓ (۱۵) سیدنا خزیمہ بن ثابتؓ
(۱۶) سیدنا ثوبانؓ مولی النبیؐ (۱۷) سیدنا اُبَیّ بن عمارہؓ (۱۸) سیدنا سہل بن سعدؓ
(۱۹) سیدنا عوف بن مالکؓ (۲۰) سیدنا ابو ایوب انصاریؓ (۲۱) سیدنا ابوہریرہؓ
(۲۲) سیدنا ابوبرزہ نضلہ بن عُبیدؓ (۲۳) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ (۲۴) سیدنا جابر بن عبداللہؓ
(۲۵) سیدنا ربیعہ بن کعبؓ (۲۶) سیدنا اسامہ بن شریکؓ (۲۷) سیدنا براء بن عازبؓ
(۲۸) سیدنا عوسجہ بن مسلمؓ (۲۹) سیدنا ابوطلحہؓ (۳۰) سیدنا مسلم بن یسارؓ
(۳۱) سیدنا ابواوس بن اوسؓ (۳۲) سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ (۳۳) سیدہ ام سعد انصاریہؓ
(۳۴) سیدنا خالد بن عرفطہؓ (۳۵) سیدنا عبادہ بن صامتؓ (۳۶) سیدنا ابوامامہ باہلیؓ
(۳۷) سیدنا شرید ثقفیؓ (۳۸) سیدنا عبدالرحمٰن بن بلالؓ (۳۹) سیدنا عمرو بن حزمؓ
(۴۰) سیدنا عمرو بن بلالؓ (۴۱) سیدنا عبدالرحمٰن بن حسنہؓ (۴۲) سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ
(۴۳) سیدنا اسامہ بن زیدؓ (۴۴) سیدنا مالک بن سعدؓ (۴۵) سیدنا ابوہریم عبید
(۴۶) سیدنا عبداللہ بن عمرؓ (۴۷) سیدنا ابوذر غفاریؓ ــــ وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

اس طرح یہ حدیث قولاً و فعلاً متواتر ہوئی۔ دیکھو حواشی اصول الشاشی متعلقہ ص ۷۰ از علامہ محمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

یہ تو تھا اصل مسئلہ کہ قرآن مجید سے وضو میں پاؤں دھونا ثابت ہے۔ اور حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بطابق حکمِ قرآن وضو میں پاؤں دھوتے تھے۔ اور آپؐ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی وضو میں پاؤں دھونے کا طریقہ ہی تعلیم فرمایا۔ پھر جس کسی کا پاؤں ذرا سا بھی خشک رہ جاتا تھا تو اسے واپس بھیجتے کہ جاؤ اچھی طرح وضو کرکے آؤ اور پھر نماز پڑھو۔ اور ایڑی خشک رہنے پر وعید سُناتے اور اُنگلیوں کے خلال کا لازمی حکم دیتے اور انگلیوں کے اندر کی جگہ خشک رہنے پر بھی وعید سُناتے۔ اسی طرح صحابۂ کرامؓ بھی وضو میں پاؤں دھوتے تھے اور اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو بھی یہی طریقہ بتلاتے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مُطابق وضو کرکے دکھاتے تو اس میں پاؤں بھی دھوتے تھے۔ مگر بعض روایات ایسی بھی ہیں جن سے متبادر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں پر مسح کیا جائے اور دھویا نہ جائے۔ اس لیے یہ ضروری ہوگیا کہ ان روایات کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے تاکہ عوام کے اذہان میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات زائل ہوں۔ ھا انا اشرع و باللہ التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔

روایاتِ مسح کی حقیقت

جن احادیث میں مسح کا ذکر کیا گیا ہے ان کی نسبت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کی گئی ہے، ان کے نام یہ ہیں:
① امیر المومنین سیدنا علیؓ ② سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ ③ سیدنا انس بن مالکؓ ④ سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت

ایک حدیث جو حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے طریق سے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہُوئے دیکھا کہ آپؓ نے سر کا مسح کیا اور پھر اپنے دونوں پاؤں کا مسح کیا"۔ سو یہ حدیث بالکل من گھڑت اور موضوع ہے۔ کیونکہ اس روایت کی سند میں غیر ثقہ، متروک اور کذّاب راوی عبد الرحمٰن بن مالک بن مغول موجود ہے۔ جسے حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے غیر ثقہ کہا ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو متروک قرار دیا ہے اور حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو اسے کذّاب تک کہہ دیا ہے اور فرمایا کہ یہ کذّاب شخص حدیثیں وضع کیا کرتا تھا یعنی من گھڑت حدیثیں پیش کیا کرتا تھا۔ (دیکھیے لسان المیزان ج ۳ ص ۴۲۷)

لہٰذا اس روایت کو حدیث کہنا ہی غلط اور گناہ ہے۔ اور اس کا بیان کرنا بھی حرام ہے۔ اور اگر کوئی بیان کرے تو اس کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی بتائے کہ یہ روایت من گھڑت اور موضوع ہے تاکہ کوئی شخص یہ روایت سُن کر دھوکا نہ کھا جائے۔ اور اسے صحیح حدیث سمجھ کر اس پر عامل نہ ہوجائے۔

امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس سلسلے میں منسوب ایک روایت اور بھی ہے۔ جو اُن کے شاگرد نزّال بن سبرہؒ اور ابراہیمؒ سے حضرت مفسر ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (ج ۶ ص ۸۴) میں نقل کی ہے کہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں پاؤں پر مسح فرمایا تھا"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی روایت میں یہ لفظ بھی موجود ہیں کہ وضو کرچکنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: ھٰذا وضوء من لم یحدث کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جس کا وضو ٹوٹا نہ ہو۔

اس سے معلوم ہُوا کہ بے وضو شخص اگر وضو کرے تو اسے پاؤں دھونے

چاہئیں صرف پاؤں پر مسح کر لینے سے وضو نہ ہوگا۔ البتہ باوضو شخص اگر پاؤں پر مسح کرے تو وضو ہو جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر کھانا کھا کر ہاتھ دھوئے اور گیلے ہاتھ سر اور چہرے پر پھیر دیے اور پھر عکراشؓ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں ھٰذا الوضوء مما مست النار یعنی میں جو کہا کرتا ہوں الوضوء مما مست النار کہ آگ کی پکی ہوئی چیز استعمال کرنے کے بعد وضو کرنا چاہیے۔ میری مراد اس وضو سے یہ ہے، وہ متعارف وضو مراد نہیں۔ (دیکھیے جامع ترمذی باب ما جاء فی التسمیۃ علی الطعام ج ۲ ص ۷)

اسی طرح نزال بن سبرہؒ کی روایت میں امامنا علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ بے وضو آدمی نہ ہو تو اس کے وضو میں اتنا کافی ہے کہ پاؤں دھونے کی بجائے پاؤں پر مسح کرے اور ہاتھ منہ دھونے کی ضرورت نہیں صرف ہاتھ منہ پر گیلا ہاتھ پھیر دینا بھی کافی ہے۔ کیونکہ ایک اور موقع کا ذکر فرماتے ہوئے یہی حضرت نزال بن سبرہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پانی کا لوٹا لایا گیا تو آپؓ نے اس میں سے ایک چلو بھر پانی لیا اور منہ، ہاتھ، سر اور پاؤں پر مسح کر دیا اور پھر کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا۔ پھر فرمایا کہ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند کرتے ہیں مگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا جس طرح میں نے کیا ہے۔ اور پھر ارشاد فرمایا: ھٰذا وضوء من لم یحدث کہ یہ وضو اس شخص کے لیے ہے جس کا وضو ٹوٹا ہوا نہ ہو۔ (دیکھیے شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۲۰۔ اور السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۷۵)

اب غور فرمائیے کہ نزالؒ کی پہلی روایت سے اگر پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے تو اسی نزالؒ کی دوسری روایت سے منہ ہاتھ (بازو)، سر اور پاؤں سب کا مسح ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ دونوں عمل اس شخص کے لیے بیان فرمائے گئے ہیں جو کہ بے وضو نہ ہو۔ اور جس وقت کوئی بے وضو شخص وضو کرنے بیٹھے تو اسے وضو میں

پاؤں دھونا ہی ضروری اور فرض ہے۔ جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دیگر شاگردوں کی روایات ہمارے اس مضمون میں پہلے گزر چکی ہیں، جن میں یہ بات وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو میں پاؤں بھی دھویا کرتے تھے۔

یوں تو امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی باوضو ہونے کی صورت میں ہلکا سا منہ ہاتھ دھو کر فرماتے ہیں ھٰذا وضوء من لم یحدث (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۴) لیکن یہ آپؓ کا معمول نہیں تھا بلکہ پورے لوازم کے ساتھ ہی بے وضو ہونے کی حالت میں وضو کرتے اور اس میں پاؤں بھی دھوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۹)

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مسح رجل والی روایت کی حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد اب آئیے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت کی جانب۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں تو کتاب اللہ میں مسح ہی پاتا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۶)

لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا راوی عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہے جسے امام ترمذیؒ نے اپنی جامع (ص ۶) میں اور علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے قانونِ موضوعات (ص ۲۷۳ و ۲۷۴) میں کہا ہے کہ یہ صدوق تو ہے مگر اس کا حافظہ ٹھیک نہ تھا اور محمد بن سعدؒ بن ابی وقاص رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ (عبد اللہ بن محمد بن عقیل) مدینہ طیبہ کا باشندہ تھا اور چوتھے طبقہ کا راوی اور منکر الحدیث اور یحییٰ بن سعید القطانؒ جیسا امامِ فنِ جرح و تعدیل اس سے روایت نہیں لیتا تھا۔ اور حضرت علی بن مدینیؒ نے کہا ہے کہ حضرت امام مالک بن انسؒ بھی اس سے روایت نہ لیتے تھے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ اس کی حدیث کوئی حجت نہیں ہے،

نیز کہا کہ عاصم، فلیح اور ابن عقیل ان تینوں کی بیان کردہ حدیث سے اِحتجاج نہ کیا جائے اس کے علاوہ حضرت علّامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کے حافظہ میں تغیّر آچکا تھا۔ (تقریب التہذیب ص ۲۱۴) ممکن ہے کہ ان کی یہ حدیث آخری دور کی ہو جب ان کے حافظہ میں تغیّر آچکا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ راوی یعنی عبداللہ بن محمد بن عقیل رجالِ شیعہ اِمامیہ میں سے اور اہلِ تشیع کا موثوق علیہ ہے۔ اسی لیے روافض کے مایۂ ناز "عالم جلیل" مامقانی نے اپنی کتاب تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۱۴ طبع ایران میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب' حضرت جعفر صادق (رحمہُ اللہ تعالیٰ) کے ساتھیوں (شاگردوں) میں سے ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے: ولاشك فى كونه اماميا۔ کہ اس کے امامی (شیعہ رافضی) ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔

یوں تو بعض مُحدّثین کے نزدیک رافضی ہونا کوئی جرح نہیں ہے جیسے عدی بن ثابت جو بقول دارقطنیؒ غالی رافضی ہے (حاشیہ محمد حسن سنبھلی بر اصول شاشی ص۷۶) اور یہ بخاری کا راوی ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک مُختار یہ ہے کہ اگر وہ راوی اپنی کِسی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو' یا وہ روایت اس کی بدعت کو تقویت پہنچاتی ہو تو نامقبول ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی روایت لی جاسکتی ہے جیسے شرح نخبۃ الفکر میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

زیرِ بحث یہ روایت ایسی ہی ہے۔ اس میں مذہبِ رفض کی تقویت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام تر قوی روایتوں کے بھی خلاف ہے۔ یہاں تک کہ خود سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی دُوسری روایات کے بھی خلاف ہے اس لیے یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پاؤں دھونے کی روایت جو امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وضو کا طریقہ بیان کرنے کے متعلق ہے گزشتہ صفحات میں درج ہوچکی ہے اور ان کے شاگردوں کی بیان کردہ روایات بھی گزر چکی ہیں۔

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ سچّا ہے اور حجاج بن یُوسف ثقفی جُھوٹا ہے جو کہتا ہے کہ خوب زیادہ پانی بہا کر پاؤں دھویا کرو"۔ تو اس سلسلہ میں اصل بات یہ ہے کہ حجاج بن یوسف (گورنر کُوفہ) نے خطبہ دیا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونا نہایت ضروری حکم ہے۔ اور حجاج نے اس کے اِستدلال میں یہی آیت پڑھی اور کہا کہ پاؤں دھونے میں خوب کوشش کی جائے کیونکہ اِنسان کے پاؤں عموماً گندے ہوتے ہیں اس لیے تم لوگوں کو چاہیے کہ پاؤں کے تلوے اور ایڑیاں اور اُوپر کا حِصّہ خوب زیادہ زیادہ پانی ڈال کر دھویا کرو (اگرچہ پانی زیادہ مقدار میں خرچ ہوجائے۔) تو جب سیّدنا انس رضی اللہ عنہ نے یہ بات سُنی تو اِس مبالغہ و غلو کی وجہ سے کہا کہ: "اللہ تعالیٰ سچّا ہے اور حجاج بن یوسف ثقفی جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ"۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ (فضول زیادہ پانی نہ بہلاتے تھے بلکہ) تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر پاؤں کو ملتے تھے اور ان کو پانی سے تر کردیتے تھے۔ (تفسیر درمنثور ص ۲۸ و ۲۹) تو قرآنِ پاک کی آیت پڑھ کر آپؓ نے سمجھادیا کہ اللہ تعالیٰ نے وارجلکم کا لفظ وامسحوا برؤسکم کے بعد اس لیے فرمایا کہ پاؤں دھونے کے وقت پانی صرف بقدرِ ضرورت بہائیں اور اسراف نہ کریں کیونکہ یہ حرام ہے۔ آپؓ نے مزید فرمایا کہ دیکھیے! میرا عمل یہ ہے کہ پاؤں پر (اس قدر تھوڑا پانی لے کر) ہاتھ ملتا ہوں کہ پاؤں تر ہوجائیں۔ اور فضول پانی خرچ نہیں کرتا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس اِرشادِ گرامی سے معلوم ہُوا کہ اس مسح سے مراد غسلِ خفیف ہے یعنی ہلکا سا دھونا جو قریب مسح کے ہو۔ (اسی لیے علمائے لکھا ہے کہ دونوں پاؤں پر صرف آدھ سیر پانی ڈالو، زیادہ پانی نہ ڈالو۔) اسی طرح سیدنا انس بن مالک اور امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے فرمان نزل الکتاب بالمسح

والسنۃ الغسل کا مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن مجید میں جو پاؤں کے مسح کا حکم آیا ہے اس کا طریقہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اور کرکے دکھایا ہے وہ یہی ہے کہ تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر پاؤں دھویا کرو۔ لوٹے کے لوٹے پاؤں پر ہرگز نہ انڈیلا کرو اور اسراف کرکے حرام کام کے مرتکب نہ بنو۔

یاد رہے کہ اہلِ تشیع وضو کرنے سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے پوچھے تو وہی حجاج بن یوسف ثقفی والا جواب دیتے ہیں کہ چونکہ پاؤں گندے ہوتے ہیں اس لیے جس طرح پہلے استنجا کیا جاتا ہے ایسے ہی پہلے پاؤں دھوئے جاتے ہیں۔ تو یہ تیسری شاخ نکل آئی۔

سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ کی روایت

من جملہ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے جن کی طرف غلط فہمی سے مسح ارجل کی نسبت کی جاتی ہے وہ رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی روایت ابن ماجہ ص ۳۶ میں بھی موجود ہے اور اس کے علاوہ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱ میں امام طحاویؒ نے اور المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۹ میں امام طبرانیؒ نے بھی اس روایت کو نقل کیا کہ یمسح براسہ ورجلیہ الی الکعبین۔ جس کے ظاہر معنے تو یہ ہیں کہ اپنے سر کا مسح کرے اور ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں کا مسح بھی کرے۔

سو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں مسح سے مُراد موزوں پر مسح ہے۔ جیسے حضرت علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عُمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۴، ۲۵ میں بیان فرمایا ہے۔

اور اس کا دُوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اس سند کے سوا کسی اور وجہ (سند) سے ثابت نہیں ہے اور تمام ثقہ راوی اس کے خلاف بیان کرتے ہیں۔ اس لیے یہ روایت اُصولِ حدیث کی اصطلاح میں شاذ کہلاتی ہے، اور شاذ صحیح نہیں ہوتی۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ راس اور ارجل کے دو فعل ایک جنس سے ہیں، یعنی طہارت اور قاعدہ ہے کہ جب معطوف و معطوف علیہ ہر دو کے دو فعل ایک جنس سے ہوں تو ان میں سے ایک فعل کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، جیسے گھاس اور پانی دو چیزیں ہیں، گھاس چراتے ہیں اور پانی پلاتے ہیں۔ مگر عرب اپنے محاورہ میں "علفت" پر اکتفاء کرتے ہُوئے "سقی" کا ذکر نہیں کرتے اور کہتے ہیں علفتہا تبنا وماء باردا۔ اسی طرح تلوار گلے میں لٹکاتے ہیں۔ اور نیزہ ہاتھ میں اُٹھاتے ہیں اور دونوں کو اٹھایا جاتا ہے۔ تو تقلید کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اعتقال کا ذکر نہیں کرتے متقلدا سیفا ورمحا ای حاملا رمحا۔

اسی طرح سر اور ارجل میں سر کا مسح ہوتا ہے اور پاؤں دھوئے جاتے ہیں اور مسح کے ذکر پر اکتفا کیا اور غسل کا ذکر الی الکعبین کے قرینہ سے ترک کر دیا، تو معنے یہ ہوں گے: یمسح براسہ و یغسل رجلیہ الی الکعبین یعنی سر کا مسح کرتے اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوتے۔

خلاصہ یہ ہُوا کہ جس معصوم ہستی پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے اُنھوں نے اس آیت سے وضو میں پاؤں دھونا ہی سمجھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا ہے۔ اور کسی صحابیؓ کو اس بارہ میں نہ اشکال پیدا ہُوا نہ کسی نے کہا کہ قرآن پاک میں تو مسح کا حکم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دھونے کا حکم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اگر ایک ناخن کے برابر بھی جگہ خشک دیکھ لیں تو دوبارہ وضو کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اور اگر کسی کو اشکال پیدا ہوتا تو وہ مُعلّمِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرکے اسے حل کرواتے اور وہ اشکال اور حلِ اشکال نقلاً بعد نقلٍ ہم تک پہنچ جاتا، جیسا کہ صحابۂ کرامؓ کی کثیر جماعت سے پاؤں دھونے کی روایات ہم تک پہنچی ہیں۔ مگر چودہ صدیاں گزر گئیں اور موزوں کے بغیر ننگے پاؤں پر مسح کرنے کی ایک روایت بھی نہیں مل سکی۔ آپ جانتے ہیں کہ بعض لوگوں نے بہت سی من گھڑت روایات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہیں مگر ننگے پاؤں پر مسح کرنے کی کوئی موضوع روایت بھی حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہے۔ اور روایات میں جہاں کہیں مسح قدمین کا ذکر ملتا ہے تو وہ موزوں پر مسح ہوتا ہے۔ مثلاً عبد خیرؒ کی روایت کو لیجیے جو اپنے اُستاذ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں کہ: "اگر دین کی مدار نری رائے پر ہوتی تو پاؤں کے نچلے حصے پر مسح کرنا بہ نسبت اُوپر کے حصے کے مسح کرنے کے لیے زیادہ مناسب ہوتا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۹ و ابوداؤد ص ۲۵) اس روایت سے بظاہر ننگے پاؤں پر مسح کرنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے، کیونکہ دُوسرے مقام پر راوی نے خود اس کی وضاحت کردی ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: "اگر دین کی مدار نری رائے پر ہوتی تو موزہ کے اوپر کے حصے کی بجائے موزہ کے نچلے حصے پر مسح کرنا اولیٰ ہوتا مگر میں نے اپنی رائے کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے چھوڑ دیا اور موزہ کے اوپر کے حصے پر ہی مسح کرتا ہوں، کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اُوپر مسح کرتے ہُوئے ہی میں دیکھا ہے۔" (ابوداؤد ص ۲۴) اور جب حضرت علیؓ کے پاؤں میں موزے نہیں ہوتے تھے تو آپؓ باقاعدہ پاؤں دھویا کرتے تھے جیسا کہ ہمارے اسی مضمون میں ص ۱۲ پر اسی راوی یعنی عبد خیرؒ کی روایت بیان کی جاچکی ہے۔ جس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کے آخر میں تین تین بار پاؤں دھوئے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا یہی طریقہ ہے۔

اسی طرح دوسرے راویوں نے بھی جہاں مسح قدمین کا ذکر کیا ہے وہاں ننگے پاؤں مراد نہیں ہیں بلکہ موزوں پر مسح مراد ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۸۵ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا حال بیان کرتے ہُوئے موزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ مُنیب کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور ضدی کا کوئی علاج نہیں۔

اصلی کلمہ اسلام

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اے ایمان والو جب تم نماز کے ارادہ سے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو۔

شیعہ پروفیسر غلام صابر کی کتاب وضوء رسولؐ کا مدلل جواب

وضوء کا مسنون طریقہ

(تفاسیر و احادیث اور کتب شیعہ کی روشنی میں)

از قلم حافظ عبد القدوس خان قارنؒ

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر:

عمر اکادمی نزد مدرسہ نصرۃ العلوم ⊙ نزد گھنٹہ گھر ⊙ گوجرانوالہ

طبع اول .... ستمبر ۲۰۰۴ء
نام کتاب .... وضوء کا مسنون طریقہ
تالیف .... حافظ عبدالقدوس قارن
کمپوزنگ .... عمر اکادمی نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور
قیمت .... ۳۰/- (تیس روپے)

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار
☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ
☆ دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت
☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ

انتساب

احقر اپنی اس کوشش کو نبی کریم ﷺ کے ان جانثار صحابہ کرامؓ کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہر قول وعمل کو محفوظ کر کے امت تک پہنچا کر قیامت تک آنے والی انسانیت پر احسان عظیم فرمایا۔ اگر صحابہ کرامؓ کی یہ کوششیں نہ ہوتیں تو بعد میں آنے والے لوگوں کو کلمہ بھی نصیب نہ ہوتا اور نہ ہی ان کو فرض وسنت کا کچھ علم ہوتا۔ صحابہ کرامؓ ہی تو نبوت کے عینی گواہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو سنت کے رنگ میں ڈھال کر رضائے الٰہی کا عظیم تمغہ زبان نبوت سے حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو نبی کریم ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین

احقر حافظ عبدالقدوس قارن

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

پیش لفظ

''مورخہ ۲۰۰۴-۸-۱۱ بروز بدھ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر گھر جانے لگا تو پیچھے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے آپ بیٹھ کر میری بات سُن لیں۔ میں نے اس سے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد میرا سبق پڑھانے کا وقت ہے بخاری شریف کا سبق ہے اور طلبہ سبق کے لئے حاضر ہو رہے ہیں

''اس لئے فی الحال میں آپ کو زیادہ وقت نہیں دے سکتا اس لئے جو بات آپ کہنا چاہتے ہیں جلدی سے مجھے بتا دیں۔ وہ شخص تعلیم یافتہ تھا مگر خاصہ گھبرایا ہوا تھا اس نے وقت ضائع کئے بغیر ایک کتابچہ نکال کر مجھے دیا اور فرمائش کی کہ ہمیں اس کا جواب ضرور چاہیئے اسکی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں اس لئے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ''ہمارے بعض دوست غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ہمارے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے شیعہ حضرات ہم پر اعتراضات کرتے ہیں کہ تمہارا تو وضوء ہی درست نہیں تو تمہاری نمازیں کیسے درست ہو سکتی ہیں۔''؟

''میں نے اس صاحب کے سامنے اپنی بیماری، اسباق اور دیگر مصروفیات کیوجہ سے عذر کیا کہ میرے لئے وقت نکالنا مشکل ہو گا اس لئے آپ کسی اور سے رابطہ کریں مگر وہ بہت اصرار کرنے لگا تو میں نے اس سے کتاب لے لی اور کہا کہ فارغ وقت میں اس کا مطالعہ کروں گا۔ اگر واقعی جواب کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسکی کوشش کروں گا۔ کتاب دیکر وہ شخص چلا گیا۔''

''مغرب کے بعد میں نے اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو وہ کتاب شیعہ نظریات رکھنے والے جناب پروفیسر غلام صابر صاحب آف قلعہ دیدار سنگھ کی تحریر تھی ﴿جس کا نام انہوں نے وضوء رسول ﷺ رکھا﴾ اور اس میں انہوں نے اہل السنّت والجماعت کے وضوء کو باطل قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے کتاب کے مطالعہ سے

محسوس ہوا کہ اس کا انداز عوام الناس کو غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے

''اس لئے اس کا جواب علماء اہل السنّت کی ذمہ داری بنتا ہے تا کہ وہ مسلمانوں کو وضوء اور نماز سے متعلق اطمینان دلا سکیں کہ بفضلہ تعالیٰ وضوء کا وہی طریقہ جو سنی مسلمانوں کا ہے یہی سنت طریقہ ہے اور اسی وضوء سے ادا کی گئی نمازیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوں گی۔

''آج کے دور میں مختلف انداز سے مسلمانوں کو ان کے عقائد، اعمال اور تہذیب وتمدن سے دور کرنے کی شیطانی سازشیں ہو رہی ہیں جبکہ مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ دینی معلومات کے بارہ میں بہت کمزور ہو چکا ہے اور اپنے مذہب کا خود دفاع کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا ایسے حالات میں اگر علماء بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہ کریں اور بروقت مسلمانوں کی راہنمائی نہ کریں اور ان کو غلط فہمیوں سے نکالنے کے انتظامات نہ کریں تو خدشہ ہے کہ سازشی لوگ بہت جلد اپنی سازشوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ان علماء اہل السنّت ہی کی جانب سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے پروفیسر غلام صابر صاحب کے کتابچہ کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا اور ارادہ کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کا ارشاد گرامی بار بار ذہن میں گردش کرنے لگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا

''فو الله لان يهدى بك رجل واحد خير لک من حمر النعم'' ﴿بخاری شریف ص ۴۱۳ جلد ا﴾

پس اللہ کی قسم اگر ایک آدمی کو بھی تیرے ذریعہ سے ہدایت مل جائے تو وہ تیرے لئے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بہتر ہے اس فرمان مبارک کے ذہن میں گردش کرنے سے جواب لکھنے کا ارادہ مزید پختہ ہو گیا۔

''اور اپنی بیماری، تدریس اور دیگر مختلف قسم کی مصروفیات کے باوجود اللہ

تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کام کو شروع کیا۔ اللہ تعالے سے دعا ہے کہ اس کو مسلمانوں کے لئے مسنون طریقہ کے مطابق وضوء کرنے کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے قلبی اطمینان اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں بہترین ہتھیار بنائے اور جو عوام الناس اس بارہ میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں ان کے لئے اس جواب کو غلط فہمی سے نکلنے کا ذریعہ بنائے اور احقر، اس کے اساتذہ کرام اور والدین کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے آمین یا الٰہ العالمین۔

☆......جواب کی ضرورت......☆

''اس جمہوری دور میں ہر ایک کو اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے نظریات کے اظہار کا حق ہے اور ہر طبقہ اپنے متعلقین کو اپنے مذہب کے عقائد واحکام سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایران کے خمینی انقلاب سے پہلے بھی پاکستان میں شیعہ حضرات کی اپنے مذہب اور نظریہ پر کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔

اور وہ اپنے حضرات کو اپنے مذہبی مسائل سے آگاہ کرتے رہے ہیں جیسا کہ حافظ بشیر حسین نجفی صاحب کی کتاب توضیح المسائل اور اس طرح کی دیگر کئی کتابیں شائع شدہ ہیں جن میں شیعہ نظریات کے مطابق طہارت وعبادت ومعاملات سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں مگر ان کے جواب کا کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ انہوں نے اپنے طبقہ کو مسائل بتائے ہیں اور مسلمانوں سے الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ایران کے خمینی انقلاب کے بعد شیعہ حضرات نے اپنا انداز بدلا اور صدیوں سے اپنے مخفی عقائد کے اظہار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو تنقید کا نشانہ بھی بنانا شروع کر دیا جس کی تازہ ترین مثال پروفیسر غلام صابر صاحب کا کتابچہ وضوء رسول ﷺ ہے

جس میں انہوں نے اہل السنّت والجماعت کے طریقہ وضوء کو بزعم خویش قرآن وسنت کے خلاف اور باطل ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور بالخصوص وضوء میں پاؤں دھونے کے مسئلہ میں جو غلط فہمی پیدا کرنے کا انداز اختیار کیا ہے اس کا جواب از حد ضروری تھا۔

☆......ہمارا انداز......☆

''ہم نے اپنی اس جوابی کتاب میں پہلے وضوء کا مسنون طریقہ جس پر اہل السنّت والجماعت عمل پیرا ہیں اس کو احادیث کی روشنی میں باحوالہ ذکر کیا ہے اور پھر پروفیسر غلام صابر صاحب نے اہل السنّت پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے جوابات باحوالہ ذکر کرنے کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رکھی ہے کہ پروفیسر صاحب نے اپنے کتابچہ میں جو اور بھی کئی ایسے مسائل ذکر کئے ہیں۔

جن میں مسلمانوں کو ان سے اختلاف ہے ہم نے ان کو بھی اجاگر کر کے ان کے بارہ میں مسلمانوں کا نظریہ واضح کیا ہے تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب میں وضوء سے متعلق جو مسائل بیان کئے ہیں ان کی کتاب میں صرف یہی مسائل ہی نہیں بلکہ اور مسائل بھی ہیں جن سے مسلمانوں کو اختلاف ہے اور ان کا ذکر پروفیسر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔

اس سے ہمارا مقصد ان حضرات کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا ہے جو پروفیسر صاحب کی کتاب پڑھ کر غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں یا ان کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو گمراہی سے بچائے اور سنت کے مطابق صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا اللہ العالمین

حافظ عبدالقدوس قارن

☆......وضوء کا مسنون طریقہ......☆

﴿۱﴾ جس پانی سے وضوء کرنا ہو وہ پانی پاک اور پاک کرنے والا ہونا چاہیے اس لئے کہ جب اس پانی سے طہارت حاصل کرنی ہے تو اس پانی کا پاک اور پاک کرنے والا ہونا ضروری ہے

﴿۲﴾ نیت......وضوء سے پہلے نیت کرنی چاہیے اور وضوء میں نیت کرنا کم از کم سنت ہے اور نیت کرنے سے ہی وضوء ثواب اور درجہ والا ہوتا ہے اور وضوء کے لئے نیت یہ ہوگی کہ دل میں ارادہ کرے کہ میں اس وضوء کے ذریعہ سے طہارت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اگر وہ شخص پہلے سے باوضو ہو اور اس کے باوجود تازہ وضوء کرنا چاہتا ہو تو پھر یہ نیت کرے کہ میں اس وضوء کے ذریعہ سے وہ اجر و ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں جو وضوء کرنے کی وجہ سے ملتا ہے۔

﴿۳﴾ وضوء کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا بھی کم از کم سنت ہے

''اس لئے کہ حضرت ابوھریرہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' من توضأ وذكر الله فانه يطهر جسده كله ومن توضأ ولم يذكر اسم الله لم يطهر الا موضع الوضوء (دار قطنی جلد اول صفحہ ۷۳۔۷۴، سنن الکبریٰ للبیہقی جلد اول ص ۴۴) جس نے وضوء کیا اور اللہ تعالےٰ کا نام لیا تو بے شک یہ اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جس نے وضوء کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا تو اس کے صرف وضوء والے اعضاء پاک ہوتے ہیں۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين يقوم للوضوء يكفأ الاناء فيسمى الله ثم يسبغ الوضوء (مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۲۰)'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کے لئے اٹھتے تھے اور برتن کو اوندھا کرتے تھے تو بسم اللہ پڑھتے پھر مکمل وضوء کرتے۔

﴿۴﴾ مسواک...... وضوء کی ابتداء میں مسواک کرنا بھی سنت ہے۔

''اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے راویت ہے --

''کان رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفضل الصلوۃ التی یستاک لھا علی الصلوۃ التی لا یستاک سبعین ضعفا''

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۸۱، زجاجۃ المصابیح جلد ۱ صفحہ ۹۵)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو جس کے لئے مسواک کی گئی ہو اس کو اس نماز پر ستر گنا فضیلت بیان کرتے تھے جس نماز کے لئے مسواک نہ کی گئی ہو۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کنا نضع مسواک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع طھورہ (مجمع الزوائد جلد ۲، صفحہ ۹۸)

ہم طہارت کے پانی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک رکھا کرتے تھے۔

اگر کسی آدمی کے پاس مسواک نہ ہو تو وہ انگلی کے ساتھ دانت صاف کرے۔

﴿۵﴾ وضوء کی ابتداء میں پہلے تین بار پہنچوں (گٹوں) تک ہاتھ دھونا بھی سنت ہے اس لئے کہ حضرت علیؓ نے اپنے اصحاب کو جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے۔

'' فغسل کفیہ حتی انقاھما ''(ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۴۳، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۵)

پھر اپنی ہتھیلیوں کو دھویا یہاں تک کہ ان کو خوب صاف کیا۔ اور ابومطر نے حضرت علیؓ کے وضوء کی جو روایت کی ہے اسمیں ہے فغسل کفیہ و وجھہ ثلاثا۔

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

تو حضرت علیؓ نے اپنی ہتھیلیاں اور اپنا چہرہ تین بار دھویا اور حضرت عثمانؓ نے اپنے اصحاب کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے

فافرغ علی کفیہ ثلاث مرار فغسلھما (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۷) پھر تین مرتبہ اپنی ہتھیلیوں پر پانی بہا کر ان کو دھویا۔

﴿۶﴾ وضوء میں تین بار کلی کرنا بھی سنت ہے۔ کلی کہتے ہیں کہ منہ میں پانی ڈال کر اس کو حرکت دینا اور پھر گرا دینا۔ حضرت علیؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے یمضمض ثلاثا مع الاستنشاق بماء واحد۔

(ترمذی ج ۱ ص ۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۴۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۵)

ایک ہی پانی کے ساتھ ناک میں پانی ڈالنے کے ساتھ تین مرتبہ کلی کی۔

اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں

'' رأیت النبی ﷺ مضمض واستنشق من کف واحد فعل ذالک ثلاثا (ترمذی ج ۱ ص ۶)

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک ہی ہتھیلی سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ کام آپ ﷺ نے تین دفعہ کیا۔

﴿۷﴾ تین بار ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا بھی سنت ہے جیسا کہ اوپر بیان کردہ روایت میں اس کا ذکر ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''

اذاتوضأ احدکم فلیجعل فی انفہ ثم لیستنثر (مسلم جلد ۱، ص ۱۲۴) جب تم میں سے کوئی وضوء کرے تو اپنے ناک میں پانی ڈالے پھر اس کو جھاڑ دے۔

﴿۸﴾ وضوء میں جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں ان کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور ایسے انداز سے دھوئے کہ ذرا سی جگہ بھی خشک نہ رہے اور دھوتے وقت اتنا پانی بہائے کہ چند قطرے نیچے بھی گر جائیں۔ اور دو دو بار دھونا اس سے افضل ہے اور تین تین بار دھونا سنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایک دفعہ اعضاء کو دھوکر وضوء کیا تو فرمایا ’’ھذا الوضوء الذی لا یقبل اللہ الصلوۃ الابہ۔

یہ ایسا وضوء ہے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول ہی نہیں کرتا، پھر دو دو مرتبہ اعضاء کو دھوکر وضوء کیا تو فرمایا کہ یہ ایسا وضوء ہے جس کی وجہ سے وضوء کرنے والے کو دہرا اجر دیا جاتا ہے۔

’ ثم توضأ ثلاثا فقال ھذا وضوئی ووضوء خلیل اللہ ابراھیم ووضوء الانبیاء قبلی ‘(ابن ماجہ ص۳۴، مسند احمد، ج۲ص ۹۸ دار قطنی جلد ا، صفحہ ۸۱) پھر تین مرتبہ وضوء کیا تو فرمایا کہ یہ میرا وضوء ہے اور یہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا وضوء ہے اور یہی مجھ سے پہلے انبیاء کرام کا وضوء ہے۔

بلا وجہ تین مرتبہ سے زیادتی نہیں کرنی چاہیے اس لئے کہ زیادتی کی صورت میں خواہ مخواہ پانی کا ضیاع بھی ہے اور آدمی کا سنت کے ثواب سے محروم ہونا بھی ہے جو کہ سراسر زیادتی اور اپنے آپ پر ظلم ہے۔

﴿۹﴾ وضوء کرتے وقت دائیں جانب سے شروع کرنا بھی سنت ہے اس لئے کہ جن حضرات نے حضور علیہ السلام کے وضوء کو بیان کیا ہے انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے دائیں جانب سے شروع کیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ترغیب بھی فرمائی ہے کہ’’ اذا توضأ تم فابدء وا بمیامنکم‘‘

(ابوداؤد جلد۲ص ۲۱۵، ابن ماجہ ص۳۳) جب تم وضوء کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔

﴿۱۰﴾ تین بار چہرہ دھونا...... ☆ چہرہ دھونا فرض ہے اس لئے کہ چہرہ دھونے کا حکم قرآن کریم میں ہے فاغسلوا وجوھکم ۔ کہ اپنے چہروں کو دھوو۔ اور چہرہ دھونے میں پیشانی کی ابتداء سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کے درمیان کا حصہ ہے۔ اس لئے کہ چہرہ اسی کو کہتے ہیں۔ بظاہر کان بھی چہرہ میں شامل ہیں مگر چونکہ

حضور علیہ السلام سے کانوں سے متعلق وضوء میں چہرہ سے الگ حکم ثابت ہے اس لئے کان چہرہ سے الگ ہیں۔ چہرے کا تین بار دھونا سنت ہے۔

اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا تھا اسمیں ہے ثم غسل وجھہ ثلاثا (بخاری جلد ا، ص ۲۸) اور حضرت علیؓ نے جو وضوء کر کے دکھایا تھا اسمیں بھی ہے ثم غسل وجھہ ثلاثا (مسند احمد جلد ا، ۱۲۳) اور تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا۔

﴿۱۱﴾ چہرہ دونوں ہاتھوں سے دھونا سنت ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے’’

ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بھا ھکذا اضافھا الی یدہ الاخری فغسل بھا وجھہ (بخاری جلد ا ص ۲۶) پھر ایک چُلوّ پانی لیا اور اس کو دوسرے ہاتھ سے ملایا پھر اس سے اپنا چہرہ دھویا۔

﴿۱۲﴾ ڈاڑھی کا خلال کرنا بھی سنت یا مستحب ہے اس لئے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں۔

’’لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخلل لحیتہ (ترمذی جلد ا، صفحہ ۶) ’’بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کو اپنی ڈاڑھی کا خلال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر ڈاڑھی گھنی ہو تو اس کا خلال کیا جائیگا اور اگر ڈاڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے چہرہ کے چمڑے کو دھونا ضروری ہے۔

﴿۱۳﴾ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا بھی فرض ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے۔

’’وَاَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ ‘‘ اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھوؤ۔ قرآن کریم میں اِلَی الۡمَرَافِقِ فرمایا گیا ہے کہ ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک ہے تو کہنیوں کو انتہاء قرار دیا گیا ہے اور انتہاء اس کی ہوتی ہے جس کی ابتداء ہو تو ہاتھوں کو دھونے کی ابتداء انگلیوں سے ہوگی اسی لئے اہل السنّت والجماعت ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں سے شروع کرتے ہیں۔

﴿۱۴﴾ انگلیوں کا خلال کرنا ......☆ ہاتھ اور پاؤں دھوتے وقت انگلیوں کے درمیان خلال کرنا بھی سنت ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لقیط بن صبرہؓ سے فرمایا ”اذا توضأت فخلل الاصابع (ترمذی جلد۱،ص ۷)
جب تو وضوء کرے تو انگلیوں کا خلال کیا کر۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ” اذا توضأت فخلل اصابع یدیک ورجلیک “۔” کہ جب تو وضوء کرے تو اپنے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا کر۔ اور حضرت مستورد بن شدادؓ فرماتے ہیں ” رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ دلک اصابع رجلیہ بخنصرہ (ترمذی جلد۱،ص ۷)
کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضوء فرماتے تو اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے۔
﴿۱۵﴾ ہاتھ دھوتے وقت انگوٹھی وغیرہ کو حرکت دینا بھی سنت ہے۔
اگر ہاتھ میں انگوٹھی یا کلائی میں گھڑی کا چین ہو یا عورتوں نے چوڑیاں وغیرہ پہنی ہوں تو اگر وہ اس قدر تنگ ہوں کہ پانی نیچے تک نہ جاتا ہو تو ان کو حرکت دے کر پانی نیچے تک پہنچانا ضروری ہے اور اگر کشادہ ہوں اور حرکت دیئے بغیر بھی پانی نیچے تک پہنچ جاتا ہو تو پھر ان کو حرکت دینا سنت ہے۔
حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں ” کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ حرک خاتمہ (دارقطنی جلد۱،ص۸۳، ابن ماجہ ص ۳۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تھے تو اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے۔
﴿۱۶﴾ سر کا مسح کرنا فرض ہے ”اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے وَامْسَحُوا بِرُءُوسِکُمْ “ تم اپنے سروں کا مسح کرو۔ سر کے کم از کم چوتھائی حصہ کا مسح کرنا فرض ہے اس لئے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ ” نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کرتے ہوئے مسح علی ناصیتہ (مسلم جلد۱ صفحہ ۱۳۴، ابوعوانہ جلد۱ ص ۲۵۹) مقدار ناصیہ

سر پر مسح کیا۔ اور مقدار ناصیہ سر کا چوتھائی حصہ بنتا ہے۔ اس سے کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کا مسح کرنا ثابت نہیں ہے۔ اور سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”مسح رأسہ بیدہ فاقبل بھما وادبر بدأ بمقدم رأسہ ثم ذھب بھما الی قفاہ ثم ردھما حتی رجع الی المکان الذی بدأ منہ“
(ترمذی جلد۱ ص ۷)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے سر کا مسح کیا پھر ہاتھوں کو آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کیطرف لائے اور اپنے سر کے آگے والے حصہ سے مسح شروع کیا پھر ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر ان کو واپس اسی جگہ تک لوٹایا جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔
﴿۱۷﴾ گردن کا مسح ......☆ سر کے مسح کے ساتھ گردن کے کچھ حصہ کا بھی مسح ہو جاتا ہے اس لئے آپ ﷺ گدی تک ہاتھ لے جاتے تھے اور گدی گردن ہی کا حصہ ہے اسی لئے مسلک اہلحدیث کے عالم مولوی محمد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ سر کا مسح کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو گدی تک لے جاتے تھے اور گدی سر کا پچھلا حصہ ہوتا ہے۔ جس میں کچھ گردن بھی آجاتی ہے۔ (صلوۃ الرسول ص ۳۸)
﴿۱۸﴾ کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے......☆ اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح برأسہ واذنیہ باطنھما بالسباحتین وظاھرھما بابھامیہ (نسائی جلد۱،ص ۲۹)
بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔
ان کے باطنی حصہ کا شہادت کی انگلیوں کے ساتھ اور ظاہری حصہ کا اپنے انگوٹھوں کے ساتھ مسح کیا۔

اور حضرت عثمانؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں

انہوں نے فرمایا ''الأذنان من الرأس'' (مسند احمد جلد ا ص ۶۱) کہ دونوں کان سر کا حصہ ہیں یعنی ان کا سر کی طرح مسح کیا جائے۔

﴿۱۹﴾ **دونوں پاؤں کا دھونا فرض ہے......** ☆ اور یہ پاؤں کی انگلیوں سے لے کر کعبین یعنی ٹخنوں سمیت ہے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے ''**ثم غسل کل رجل ثلاثا**'' (بخاری جلد ا ص ۲۸) **پھر ہر پاؤں کو تین تین دفعہ دھویا**

اور بعض روایات میں ہے و غسل رجلیه ثلاثا (مسند احمد جلد ا ص ۱۵۸) اور اپنے پاؤں کو تین تین دفعہ دھویا۔ کسی روایت میں ہے **وغسل قدمیه الی الکعبین** (مسند احمد جلد ا ص ۱۲۷) اور کسی روایت میں ہے **ثم غسل رجلیه الی الکعبین ثلاث مرات** (مسند احمد جلد ا ص ۶۸) پھر تین مرتبہ ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوئے۔

﴿۲۰﴾ **موزوں پر مسح کرنا سنت ہے......** ☆ اگر پاؤں پر موزے پہنے ہوئے ہوں اور موزے میں پاؤں طہارت کی حالت میں ڈالے ہوں تو ان موزوں پر مسح کرنا سنت سے ثابت ہے، مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے اور موزوں پر مسح کی روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ حضرت علیؓ سے جب موزوں پر مسح کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں فرمایا ''**جعل رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاثة ایام ولیالیهن للمسافر ویوما ولیلة للمقیم** (مسلم جلد ا ص ۱۳۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور ان کی راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن رات تک اس کی مدت مقرر کی فرمائی ہے۔

﴿۲۱﴾ **وضوء میں جو فرائض ہیں یعنی چہرہ دھونا،** ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا سر کا مسح کر اور پاؤں دھونا ان میں ترتیب کا لحاظ رکھنا سنت ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضوء کے بارہ میں جو روایات منقول ہیں ان میں ترتیب سے وضوء کرنا ثابت ہے۔

﴿۲۲﴾ **وضوء میں موالات مستحب ہے یعنی اعضاء کو یکے بعد دیگرے دھونا، درمیان** میں اتنا وقفہ نہ کیا جائے کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔

﴿۲۳﴾ **جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان پر صرف پانی بہانے کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ** ان کو ہاتھ سے ملنا بھی سنت ہے اسی کو دلک کہتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء میں دلک (اعضاء کو ملنا) بھی ثابت ہے۔

﴿۲۴﴾ **وضوء سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے** اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا۔

﴿۲۵﴾ **وضوء سے فارغ ہو کر رومال یا تولیہ سے اعضاء کو خشک کرنا جائز ہے**

اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے ''**کانت للنبی علیه السلام خرقة ینشف بها بعد الوضوء**'' (مستدرک ج ا ص ۱۵۴، ترمذی ج ا ص ۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کپڑا تھا اس کے ساتھ وضوء کے بعد اعضاء پونچھتے تھے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی ہے۔

﴿۲۶﴾ **وضوء میں قبلہ رخ بیٹھنا مستحب ہے اور اونچی جگہ پر بیٹھنا بھی مستحب ہے** تا کہ چھینٹے نہ پڑیں اور بلا وجہ وضوء کے دوران کسی سے مدد لینا بھی مناسب نہیں ہے۔

﴿۲۷﴾ **وضوء کے بعد دعائیں پڑھنا بھی سنت سے ثابت ہے** شہادتیں پڑھے یعنی ''اشهد ان لا اله الا الله **واشهد ان محمداً عبده ورسوله** پڑھے (مسلم جلد ا ص ۱۲۲) اور اس کے ساتھ **اللّٰهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین** پڑھے۔ (ترمذی ج ا ص ۹)

ان کے علاوہ اور بھی بعض دعائیں ثابت ہیں۔ وضوء کے بعد دعاء پڑھتے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھانا درست ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے ''**قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم رفع بصره الی السماء فقال اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له**

واشهد ان محمدا عبده ورسوله فتحت له ثمانية ابواب من الجنة يدخل من ايها شاء (مسند ابی یعلی حدیث نمبر ۲۴۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اچھے انداز سے وضو کیا پھر اپنی نظر آسمان کیطرف اٹھا کر یہ کلمات کہے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں ان میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے اور وہ کلمات یہ ہیں ''**اشهد ان لا الـه الا الله وحده لاشريک لهو اشهد ان محمدا عبده ورسوله**'' وضوء کے بعد دعاء کرتے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی روایت کنز العمال میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت انسؓ سے بھی ہے۔ اس لئے وضوء کے بعد دعاء پڑھتے وقت آسمان کیطرف نظر اٹھانا تو درست ہے مگر انگلی کا اٹھانا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

﴿۲۸﴾ وضوء کے بعد اگر ایسا وقت ہو جس میں نوافل پڑھے جاسکتے ہیں تو دو رکعت **تحیته الوضوء** پڑھنا بھی سنت اور فضیلت کا باعث ہے۔

☆......تیمم کا بیان......☆

اگر پانی نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو تو غسل اور وضوء کی جگہ تیمم کر کے طہارت حاصل کرے۔ اور تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے پاک ہونے کی نیت کرے اور پھر ایک دفعہ دونوں ہاتھ مٹی ریت یا اینٹ پر مار کر ہاتھوں کو سارے چہرہ پر ملے جیسا کہ وضوء میں دھویا جاتا ہے اور پھر دوسری دفعہ دونوں ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر ملے۔

اختلافی مسائل......☆ وضوء کے مسنون طریقہ کے بیان کے بعد ہم پروفیسر غلام صابر صاحب کی کتاب ''وضوء رسول'' میں بیان کردہ ان مسائل کا ذکر ترتیب وار کرتے ہیں جن سے اہل السنّت والجماعت کو اختلاف ہے۔ اور جہاں ہم نے ضروری سمجھا وہاں شیعہ کتب کے حوالے بھی ذکر کئے ہیں تا کہ حجت تام ہو جائے اور **ليهلک من هلک عن بينة ويحيى من حي عن بينة** ۔ تا کہ جو ہلاک ہوتا

ہے وہ دلیل واضح ہو جانے کے بعد اس کے اعراض کی وجہ سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہتا ہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

☆......پہلا مسئلہ۔ کلمہ کی تبدیلی......☆

پروفیسر غلام صابر کی کتاب ''وضوء رسول'' میں بیان کردہ باتوں میں سے سب سے پہلی بات جس پر مسلمانوں کو اعتراض اور اختلاف ہے وہ کلمہ میں تبدیلی ہے۔ جناب پروفیسر صاحب نے کتاب کے ٹائیٹل پر اپنے جامعہ کا جو مونو شائع کیا ہے اس پر کلمہ یوں لکھا ہے۔

لاالـه الا الله محمد الرسول الله عَلِيٌّ وَلِيُّ الله۔ حالانکہ ہر مسلمان بلکہ مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اسلام کا پہلا اور اصلی کلمہ جس کو کلمہ طیبہ کہا جاتا ہے وہ ''لا اله الا الله محمد رسول الله'' ہے۔

اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے، اس لئے پروفیسر صاحب کی کتاب پڑھ کر وضوء میں پاؤں دھونے کے بارہ میں کسی غلط فہمی کا شکار ہونے والے مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس بات کو بھی مدنظر رکھے کہ پروفیسر صاحب اور ان کے طبقہ کو مسلمانوں کے ساتھ اسلام کے اصلی کلمہ میں بھی اختلاف ہے۔ جس کا ثبوت انہوں نے کتاب کے ٹائٹل پر مسلمانوں کے کلمہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنا کلمہ لکھ کر دیا ہے۔

☆......دوسرا مسئلہ۔ امام منتظر (امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ)......☆

جناب پروفیسر صاحب اپنے طبقہ کو خطاب کرتے ہوئے ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہم نے امام زمانہ کے استقبال کے لئے تمام تیاریاں مکمل کر لیں ہیں؟ کیا ہم نے اپنے گھروں کو اس قابل بنالیا ہے کہ حجتؑ خدا تشریف لاسکیں (ص ۶)

یہ پروفیسر صاحب نے اپنے طبقہ کو خطاب کیا ہے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہم صرف ان مسلمانوں کو جنہوں نے پروفیسر صاحب کی کتاب کا مطالعہ کیا ہے ان کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ جس امام زمانہ کا پروفیسر صاحب نے ذکر کیا ہے اس میں بھی

مسلمانوں کا نظریہ ان سے مختلف ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتوں میں سے یہ علامت بھی بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمانوں پر زندہ موجود ہیں وہ آسمان سے اتریں گے۔ ان کے آسمان سے اترتے وقت امام مھدی رحمۃ اللہ کی حکمرانی ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد بعض نمازیں حضرت امام مھدی کے پیچھے پڑھیں گے۔

اہل السنّت والجماعت کے نزدیک امام مھدی اسی قرب قیامت دور میں پیدا ہوں گے اور ابتداء میں ان کے متعلق کسی کو معلوم نہ ہوگا پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے علماء ان کو پہچانیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ ظہور مھدی سے یہی مراد ہے کہ پہلے ان کی حیثیت لوگوں کو معلوم نہ ہوگی اور پھر علماء کے بیعت کرنے کے بعد ان کی حیثیت نمایاں ہو جائیگی۔ اہل السنّت کے ہاں ظہور مھدی کا یہ مفہوم نہیں کہ وہ پہلے چھپے ہوئے ہوں گے اور پھر ظاہر ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ ان کا نام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی طرح محمد ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور علیہ السلام کے والد ماجد کی نام کیطرح عبداللہ ہوگا (ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳۲) اور امام مھدی خاتون جنت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنھا کی اولاد میں سے ہوں گے اور محدثین کرامؒ کے فرمان کے مطابق وہ حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے جیسا کہ ملا علی قاریؒ مرقات جلد ۱۰، ص ۱۷۴ میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات جلد ۴ ص ۳۲۱ میں اور امام سیوطیؒ نے الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۸۵ میں ذکر کیا ہے۔

☆......شیعہ حضرات کا نظریہ......☆

امام مھدی کے بارہ میں شیعہ حضرات کا نظریہ ہے کہ امام مھدی وہ ہیں جو ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے جنکا نام محمد اور والد کا نام امام حسن عسکری ہے اور وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں اور وہ حاکم وقت معتمد بن متوکل عباسی کی طرف سے قتل کئے جانے کے خوف سے عراق میں ایک غار ''سُرَّ من رای'' میں

چھپ گئے ابتداء میں تقریباً چھتر سال تک ان کے بارے میں بعض حضرات کو علم تھا اس دور کو غیبت صغریٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا یعنی ان کے ٹھکانے کا کسی کو علم نہیں ہے اور قیامت کے قریب ان کا ظہور ہوگا۔

شیعہ حضرات نے اپنے امام مھدی کے ظہور کے بعد ان کے ہاتھوں حضرات صحابہ کرامؓ اور امھات المومنینؓ کی شان میں گستاخی کے جن اعمال کا ذکر کیا ہے اس سے سنی مسلمانوں کے جذبات بھڑکنا غیرت ایمانی ہے ان اعمال کو یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے اور شیعہ حضرات کے نزدیک امام مھدی غار میں چھپتے وقت اپنے ساتھ قرآن بھی لے گئے تھے جس کو شیعہ حضرات اصلی قرآن کہتے ہیں اور شیعہ حضرات کے نزدیک جب دنیا میں اصحاب بدر کی گنتی کے مطابق (تین سو تیرہ) مخلص مومن اور ساتھی جمع ہو جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کا معاملہ ظاہر کرے گا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ''احتجاج طبرسی ص ۲۳۰ طبع ایران) شیعہ عالم علامہ نوری طبرسی قرآن کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں'

'وھو عند الحجة عجل الله فرجه يظهره للناس بعد ظهوره ويأمرهم بقرأته وهو مخالف لهذا القرآن الموجود (فصل الخطاب ص ۱۲۱ دلیل ۴) اور وہ قرآن الحجہ (امام مھدی) کے پاس ہے اللہ تعالےٰ اسکی مشکل جلدی آسان کرے وہ اس قرآن کو لوگوں کے سامنے اپنے ظہور کے بعد ظاہر کریں گے اور اس کی تلاوت کا حکم دیں گے اور وہ اس موجودہ قرآن کے خلاف ہے۔ اور شیعہ حضرات کی اصول اربعہ میں سے مرکزی کتاب اصول میں کافی ہے'' واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحد'' (اصول کافی جلد ا ص ۲۳۹ طبع ایران) اللہ کی قسم اس (امام مھدی کے پاس جو قرآن ہے)

میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ شیعہ حضرات کے نزدیک اصل قرآن وہ ہے جو ان کے بقول امام مھدی کے پاس ہے اور موجودہ قرآن ان کے نزدیک اصلی نہیں ہے۔

☆......اشکال اور انکا جواب......☆

ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو یا کوئی شیعہ اپنے آپ سے اس الزام کو رد کرتے ہوئے یوں کہے کہ شیعہ حضرات تو اس موجودہ قرآن کو پڑھتے پڑھاتے اور اسی کو قرآن کہتے ہیں۔

جیسا کہ پروفیسر غلام صابر صاحب نے بھی اپنے طبقہ سے سوال کیا ہے کیا ہمارے بچے قرآن مجید اور ابتدائی دینی معلومات مکتب تشیع سے حاصل کر رہے ہیں یا غیروں سے؟ (ص ٦) جب شیعہ حضرات اسی کو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ قرآن ان کے نزدیک اصلی نہیں ہے۔

اس اشکال کا حل بھی خود شیعہ علماء نے کر دیا ہے کہ جب تک اصلی قرآن نہیں آتا اس وقت تک یہی موجودہ قرآن ہی پڑھتے پڑھاتے رہیں چنانچہ انکے عالم مولوی مقبول احمد دہلوی ترجمہ قرآن کریم میں لکھتے ہیں ''ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور ان ہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل خدائے تعالی پڑھا جائے گا

(حاشیہ ترجمہ مقبول ص ۴۷۹) اور شیعہ حضرات کی اصولی کتاب اصول کافی میں ہے'' **قرأ رجل علی ابی عبداللہ علیہ السلام و انا استمع حروفا من القرآن لیس علی ما یقرؤھا الناس فقال ابو عبدا للہ علیہ السلام کف عن ھذہ القرأۃ اقرأ کما یقرأ الناس حتی یقوم القائم فاذا قام القائم قرأ کتاب اللہ عز وجل علی حدہ** (اصول کافی ص ۶۳۳ جلد ۲ مطبوعہ تہران)

ایک شخص نے ابوعبداللہ علیہ السلام (امام جعفر) کے سامنے قرآن کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں جسے لوگ پڑھتے ہیں تو ابوعبداللہ علیہ السلام نے

فرمایا کہ اس قراءت سے رک جا اور اسی طرح پڑھ جیسے لوگ پڑھتے ہیں یہاں تک کہ القائم (امام مھدی) کا ظہور ہو جائے۔

پس جب ان کا ظہور ہوگا تو وہ اللہ کی کتاب کو اس کے صحیح طریقہ کے مطابق پڑھیں گے۔

پروفیسر صاحب یا ان کے طبقہ کا جو نظریہ ہے اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہم تو ان سنی مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں جو پروفیسر صاحب کی کتاب پڑھ کر وضوء سے متعلق مسائل میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں یا وہ اپنے شیعہ دوستوں کی بعض باتوں سے متاثر ہو گئے ہیں کہ وہ غور کریں کہ پروفیسر صاحب کس طرح اپنے طبقہ کو امام مھدی کے استقبال کی تیاری کی ترغیب دے کر اپنے مذہب کا پرچار کر رہے ہیں۔

☆......تیسرا مسئلہ۔ چہرے کو اوپر سے نیچے دھونا......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ شیعہ چہرے اور ہاتھوں کو وضوء میں اوپر سے نیچے دھوتے ہیں جبکہ اہل سنت نیچے سے اوپر کو دھوتے ہیں (ص ۱۱)

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ احتیاط واجب کی بنا پر چہرے اور ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کی طرف دھونا چاہیے اگر نیچے سے اوپر دھویا جائے تو وضوء باطل ہے (ص ۱۳)

پروفیسر صاحب نے شیعہ حضرات کا نظریہ یہ بتلایا کہ ان کے نزدیک چہرے کو نیچے سے اوپر کی جانب دھونے سے وضوء باطل ہو جاتا ہے مگر انھوں نے اس طریقہ سے وضوء کے باطل ہونے کی کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی۔ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک چہرے کو اوپر سے نیچے دھونا مستحب ہے جیسا کہ خود پروفیسر صاحب نے امام نوویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ چہرہ دھوتے وقت اوپر سے نیچے دھونا مستحب ہے اس لئے کہ یہ حصہ اشرف ہے اور استیعاب ہے یعنی چہرہ کو دھونے میں مکمل طور پر گھیر لینے کے زیادہ قریب ہے (نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۳)

غلط ترجمہ......☆ امام نووی کا یہ حوالہ دے کر ترجمہ کرتے ہوئے جناب پروفیسر صاحب کو یا تو کوئی غلطی لگی ہے یا انہوں نے جان بوجھ کر غلط ترجمہ کر کے

مطلب برآری کی کوشش کی ہے اس لئے کہ امام نووی کی اس عبارت میں الفاظ ہیں **ولانہ اقرب الی الاستیعاب** جس کا معنی ہے کہ یہ طریقہ استیعاب کے زیادہ قریب ہے مگر پروفیسر صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور فطرت کے موافق ہے (ص ۲۸) حالانکہ **لانہ اقرب الی الاستیعاب** کا ترجمہ فطرت کے موافق ہے کرنا بالکل غلط ہے۔

اہل السنت کے نزدیک چہرہ دھوتے وقت اوپر سے نیچے دھونا مستحب ہے

اگر کسی نے نیچے سے اوپر کی جانب دھویا تو استحباب کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے ثواب میں تو کمی ہوگی مگر وضوء باطل نہیں ہوتا اس لئے کہ اس حالت میں وضوء کے بطلان پر کوئی صریح اور واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حدیث میں آتا ہے کہ وضوء کرتے وقت پانی نیچے گرنے کے ساتھ اس عضو کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جس کو دھویا جاتا ہے تو چہرے کو اوپر سے نیچے کو دھویا جائے یا نیچے سے اوپر کو دھویا جائے تو ہر حالت میں پانی کے قطرات نیچے ہی گرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اوپر سے نیچے دھویا جائے تو پانی کے قطرات نیچے گرتے ہیں اور اگر نیچے سے اوپر دھویا جائے تو نہیں گرتے۔ یہ بات تو معمولی عقل والا بھی جان سکتا ہے اس لئے اہل السنت کے نظریہ اور عمل کو اس حدیث کے مخالف نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ ان کا اس حدیث کے مطابق عمل ہے۔

☆......چوتھا مسئلہ۔ چہرہ ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں سے دھونا......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ شریعت اسلام نے دائیں ہاتھ کو ہر کام میں فضیلت دی ہے بائیں ہاتھ سے منہ دھونا خلاف فطرت، خلاف حکم اسلامی ہے (ص ۳۲۔۳۳)

پروفیسر صاحب نے شیعہ حضرات کا نظریہ واضح کیا کہ چہرہ صرف دائیں طرف سے دھونا چاہیئے اور اس پر دلیل دیتے ہوئے لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چہرے کو دائیں ہاتھ سے دھوتے تھے۔ مزید لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرا دایاں ہاتھ منہ کے لئے ہے اور بایاں ہاتھ طہارت یعنی استنجاء وغیرہ کے لئے ہے (ص ۲۷)

اس کا پہلا جواب......☆ پروفیسر صاحب نے ان روایات کے لئے کنز العمال کا حوالہ دیا ہے مگر ہمیں ان الفاظ سے یہ روایات نہیں مل سکیں جو الفاظ پروفیسر صاحب نے لکھے ہیں۔ البتہ ایک روایت ان الفاظ سے ہے "**یمینی لوجھی وشمالی لفرجی** (کنز العمال جلد ۹ ص ۱۸۷)

میرا دایاں ہاتھ چہرے کے لئے اور بایاں ہاتھ شرمگاہ یعنی استنجاء کے لئے ہے۔ وضوء سے متعلق دوسری روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ چہرہ دھونے میں اصل دایاں ہاتھ ہے اور بایاں ہاتھ اس کے تابع ہے اور استنجاء کرنے میں اصل بایاں ہاتھ ہے اور پانی وغیرہ ڈالنے کے لئے دائیں ہاتھ سے مدد لی جاسکتی ہے۔ پھر یہ روایات ان صحیح روایات کے خلاف ہیں جن میں دونوں ہاتھوں کے ساتھ چہرہ دھونے کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کرتے ہوئے "**اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الی یده الیسری فغسل بها وجهه**

(بخاری جلد ۱ ص ۲۶) ایک چلو پانی لیا پھر اس کو دوسرے ہاتھ کے ساتھ ملایا پھر اس سے اپنا چہرہ دھویا۔ اسی طرح ایک روایت حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے ہے "**ثم ادخل یده فاغترف بهما فغسل وجهه ثلاث مرات** (بخاری جلد ۱ ص ۳۳) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ برتن میں داخل کرکے دونوں ہاتھوں کے ساتھ چلو بھرا پھر تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا۔ اور حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کرکے دکھایا اس میں ہے" **ثم ادخل یدیه فی الاناء جمیعا فاخذ بهما حفنة من ماء فضرب بها علی وجهه** (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶) پھر اپنے دونوں ہاتھ اکٹھے برتن میں ڈال کر ان دونوں کے ساتھ ایک لپ پانی لیا۔ پھر اس کو اپنے چہرہ پر بہایا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ ایک ہاتھ برتن میں داخل کرکے پانی لیا اور اس سے چہرہ دھویا اور بعض روایات میں ہے کہ دونوں ہاتھوں میں

پانی لے کر چہرہ دھویا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک ہاتھ برتن میں داخل کر کے پانی لیا اور اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ ملا کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا۔ ان روایات میں اس بات پر دلیل ہے ''علی جواز الامور الثلاثة وان الجمیع سنة (نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۳)

کہ تینوں صورتیں جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک صورت سنت ہے۔

پروفیسر غلام صابر صاحب کا چہرہ دھونے میں بائیں ہاتھ کے استعمال کو خلاف فطرت کہنا درست نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ روایات سے ظاہر ہے۔ وضوء میں دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کا استعمال ثابت ہے جیسا کہ حضرت علیؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے ''ثم مسح بیده کلتیهما مرة (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۳۵) پھر اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور خود پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ بائیں ہاتھ کے ساتھ مسح جائز ہے (ص ۱۴) اگر وضوء میں مسح کرتے وقت دائیں ہاتھ کے ساتھ بایاں ہاتھ استعمال کرنا جائز ہے تو چہرہ دھوتے وقت دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کے استعمال کو خلاف فطرت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

☆......شیعہ کتب سے......☆

اہل سنت کے ہاں چہرہ دھوتے وقت دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں کو ملا کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھونا چاہیے جیسا کہ اس کی تائید میں احادیث ذکر کی گئی ہے۔ یہی نظریہ شیعہ کتب میں بھی ہے۔ چنانچہ شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ الطوسی نے روایت نقل کی ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کے بارہ میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ''ثم غمس کفه الیمنی فی التور فغسل بها واستعان بیده الیسری بکفه علی غسل وجهه (تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۵۶ الاستبصار ص ۵۷ جلد ۱ اور یہ روایت الکافی جلد ۱

ص ۹ میں بھی ہے) پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنے بائیں ہاتھ سے مدد لے کر اپنا چہرہ دھویا۔

دوسرا جواب......☆ پروفیسر صاحب نے جو روایت پیش کی ہے کہ دایاں ہاتھ چہرہ کے لئے اور بایاں ہاتھ استنجاء کے لئے ہے اس پر عمل تو شیعہ حضرات کا بھی نہیں اس لئے کہ وہ بھی وضوء میں دائیں ہاتھ کے ساتھ بایاں استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر روایت میں بھی گذرا کہ چہرہ دھوتے وقت بائیں ہاتھ سے مدد لیکر چہرہ دھویا اور خود پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ بائیں ہاتھ سے مسح کرنا جائز ہے

اسی طرح ایک روایت یوں ہے ''ثم اعاد الیسری فی الاناء فاسدلها علی الیمنی (تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۵۵۔۵۶، الاستبصار ج ۱ ص ۵۸۔ فروع کافی ج ۳ ص ۲۴۔ الکافی ج ۱ ص ۸)

پھر بایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی لیا پھر اسکو دائیں ہاتھ پر بہایا اور پھر اس بات پر اتفاق ہے کہ تیمم وضوء کا خلیفہ ہے اور جو کوئی آدمی کسی شرعی عذر کی وجہ سے وضوء نہیں کر سکتا تو وہ تیمم کرے اور تیمم اہل السنّت والجماعت اور شیعہ حضرات دونوں کے نزدیک دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ''حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت میں ہے'' فضرب النبی صلی الله علیه وسلم بکفیه الارض ونفخ فیهما ثم مسح بهما وجهه وکفیه (بخاری ج ۱ ص ۴۸۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۴۵)

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماری پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرہ کو اور دونوں ہاتھوں کو ملا۔

اور تیمم میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر چہرے اور ہاتھوں پر ملنے کی روایات تقریباً تمام تفاسیر اور کتب احادیث میں موجود ہیں۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کے نزدیک بھی تیمم دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے چنانچہ خمینی

صاحب لکھتے ہیں ''دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اکٹھا ایسی چیز پر مارنا کہ جن پر تیمم کرنا صحیح ہے (توضیح المسائل مترجم سید صفدر حسین النجفی ص ١١٣، اور اسی قسم کی عبارت خمینیؒ صاحب کی کتاب تحریر الوسیلہ ص ٢٨ ج ١، میں بھی ہے۔ اور شیعہ عالم حافظ بشیر حسین نجفی لکھتے ہیں دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا ایسی چیز پر مارنا جس پر تیمم کرنا صحیح ہو (توضیح المسائل ص ١٨٥) اور مختلف فتاوی جات کے حوالے سے شیعہ عالم السید منظور حسین نقوی نے جو کتاب لکھی ہے اس میں لکھتے ہیں۔ اگر غسل بدلے تیمّم ہو تو دو ضربی تیمّم کرے یعنی دو دفعہ ہاتھوں کو زمین پر مارے ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر پیشانی اور کنپٹیوں اور ابروؤں کا مسح کرے (تحفۃ العوام ص ٢٠، بہ ٧)

اور شیعہ حضرات کے الشیخ الطوسی لکھتے ہیں '' ثم یضرب بباطن کفیه علی ظاهر الارض وهما مبسوطتان (تهذیب الاحکام جلد ١ ص ٢٠٦) پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کے باطنی حصہ کو زمین کی سطح پر مارے اس حال میں دونوں ہتھیلیاں کھلی ہوئی ہوں۔ اب ہر معمولی سمجھ بوجھ والا اور عقل سلیم والا آدمی جان سکتا ہے کہ اگر بایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر اس میں پانی لے کر اس سے دایاں ہاتھ دھویا جاسکتا ہے اور تیمم میں دونوں ہاتھ استعمال کئے جاسکتے ہیں تو پھر چہرہ دھونے میں بائیں ہاتھ کے استعمال کو کیسے خلاف فطرت کہا جاسکتا ہے؟ جبکہ شیعہ حضرات کی اصول کی کتابوں کے حوالہ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کے امام نے حضور علیہ السلام کے وضوء کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ چہرہ دھوتے وقت دائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں ہاتھ کی مدد سے چہرہ دھویا اس لئے پروفیسر غلام صابر صاحب کا چہرہ دھوتے وقت بائیں ہاتھ کے استعمال کو خلاف فطرت کہنا بالکل غلط ہے۔

☆ ...... پانچواں مسئلہ۔ چہرہ دھونے کی مقدار کتنی ہے ...... ☆

پروفیسر غلام صابر صاحب شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے وضوء میں چہرہ دھونے کی مقدار یوں بیان کرتے ہیں کہ لمبائی میں پیشانی کے اوپر اس جگہ سے

لے کر جہاں سر کے بال اگتے ہیں اور ٹھوڑی کے آخری کنارہ تک۔ چوڑائی میں بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے پھیلاؤ میں جتنی جگہ آجائے (ص ١٢)

اہل سنت کے نزدیک چہرہ دھونے میں لمبائی کے لحاظ سے پیشانی شروع ہونے سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی کے لحاظ سے ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔ اس لئے کہ اسی کو چہرہ کہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

سجد وجهی للذی خلقه و صوره وشق سمعه وبصره (مسلم ص ٢٦٣، جلد ١) میرے چہرے نے اس ذات کے سامنے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کو صورت بخشی اور اس سے کان اور آنکھ نکالے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ کان چہرہ سے ہی نکالے گئے ہیں اور کان تک کا حصہ چہرہ ہی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کان بھی چہرہ میں شامل ہیں مگر ان کا حکم چونکہ الگ موجود ہے اس لئے کان چہرہ کے حکم سے الگ ہوں گے اور وہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے ''الأذنان من الرأس (ترمذی ص ٧ ج ١، ابن ماجہ ص ٣٥ دار قطنی ج ١ ص ٣٦) کہ کان سر میں سے ہیں یعنی ان کا سر کی طرح مسح ہے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ڈاڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس کو کھول دے اس لئے کہ ڈاڑھی چہرے کا حصہ ہے (تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٢٣)

اور حضرت عثمانؓ نے جب حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا تو اس میں فرمایا ''واعلموا ان لأذنین من الرأس (مسند احمد ج ١ ص ٦١) اور جان لو کہ بے شک کان سر میں سے ہیں۔

☆ ...... شیعہ کتب سے ...... ☆

شیعہ عالم ابوجعفر کلینی روایت نقل کرتے ہیں کہ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ سر اور پاؤں کے بعض

حصہ کا مسح کرنا چاہیے تو وہ ہنسے اور کہا اے زرارہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فاغسلوا وجوھکم فعرفنا ان الوجه کله ینبغی ان یغسل (فروع کافی ج ۳ ص ۳۰) پس اپنے چہروں کو دھوؤ تو ہم نے معلوم کر لیا کہ بے شک سارے چہرے کا دھونا ہی مناسب ہے۔

اور زرارہ ہی کی روایت ہے'' کہ ابو جعفر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے کہ برتن سے پانی لے کر چہرہ کی اوپر کی جانب سے بہایا' ثم مسح بیده (الیمنی) الجانبین جمیعا (الاستبصار ج ۱ ص ۵۸) پھر اپنے ہاتھ کے ساتھ چہرہ کے دونوں جانب کو ملا الاستبصار کے حاشیہ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت التھذیب ج ۱ ص ۱۶ اور الکافی ج ۱ ص ۸ میں بھی کچھ معمولی اختلاف کے ساتھ ہے۔

☆......یقینی مقدار......☆

اہل سنت نے چہرہ کی چوڑائی کے لحاظ سے جو مقدار بتائی ہے وہ چہرہ کے عمومی معنی کو ملحوظ رکھ کر بتائی ہے اور اس میں ہر آدمی کو یقین حاصل ہو جاتا ہے اور سب کے لئے حکم برابر ہے اور اس میں سہولت بھی ہے بخلاف اس مقدار کے جو شیعہ حضرات بتاتے ہیں کہ درمیان والی انگلی اور انگوٹھے کو کھولا جائے تو ان کے درمیان جو جگہ ہے اس کو دھویا جائے چہرہ میں مقدار یہی ہے مگر اس پر کوئی صحیح اور صریح روایت موجود نہیں ہے پھر اس میں دشواری بھی ہے کہ ایک ایسا آدمی جس کا چہرہ چوڑا ہو اور اس کے ہاتھ کی انگلیاں چھوٹی ہوں کہ اسکے آدھے چہرے کو بھی نہ گھیرتی ہوں یا ایسا آدمی ہے جسکا چہرہ پتلا ہو اور ہاتھ کی انگلیاں اتنی بڑی ہوں کہ چہرہ پر رکھتے وقت دونوں کانوں کو بھی لپیٹ میں لے لیتی ہوں تو ایسے آدمی کیا کریں تو اس کا حل شیعہ حضرات نے یہ بتایا کہ وہ آدمی دوسرے حضرات کو دیکھے کہ وہ عموما کتنا حصہ دھوتے ہیں یہ بھی وہیں تک دھوئے (توضیح المسائل خمینی ص ۳۷، توضیح المسائل لحافظ بشیر حسین نجفی ص ۸۹)

شیعہ حضرات کی بتلائی ہوئی چہرہ کی چوڑائی کے لحاظ سے مقدار میں سراسر دشواری ہے اور پھر شک بھی رہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جتنا حصہ فرض ہے وہ دھویا نہ جا سکا ہو اسی لئے شیعہ علماء کو یہ کہنا پڑا کہ اگر اس مقدار کا ذرا سا حصہ بھی چھوٹ جائے تو وضوء باطل ہو گا لہذا یہ یقین کرنے کے لئے کہ اتنا ضروری حصہ پورا دھل گیا ہے تھوڑا تھوڑا ادھر ادھر سے بھی دھو لینا چاہئے (توضیح المسائل لحافظ بشیر حسین نجفی ص ۸۹)

اور خمینی صاحب لکھتے ہیں اور یہ یقین پیدا کرنے کے لئے کہ یہ مقدار پورے طور پر دھوئی جا چکی ہے کچھ حصہ اطراف میں سے بھی دھو لیا جائے (تحریر الوسیلہ ج ۱ ص ۲۱)۔ توضیح المسائل مترجم ص ۳۷) اور خود پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں ''کہ چہرے اور ہاتھوں کو دھونے میں واجب مقدار وہی ہے جو پہلے گذری لیکن یقین کرنے کے لئے آیا کہ واجب مقدار کو دھو لیا گیا ہے یا نہیں تھوڑا تھوڑا ادھر ادھر سے بھی دھو لینا چاہیے (ص ۱۳)

جب شیعہ حضرات کی بیان کردہ مقدار میں یقین حاصل نہیں ہوتا بلکہ شک رہتا ہے اور اہل سنت کی بیان کردہ مقدار میں یقین اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو اسی مقدار کو لینا چاہیے جس سے یقین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

☆......چھٹا مسئلہ۔ وضوء کے اعضاء کو کتنی بار دھونا چاہیے۔......☆

پروفیسر صاحب شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وضوء میں چہرے اور بازوں کا پہلی دفعہ دھونا واجب۔ دوسری دفعہ دھونا مستحب اور تیسری مرتبہ یا اس سے زیادہ بار دھونا حرام ہے (ص ۱۳) اس کے برخلاف اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ وضوء میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان کو تین تین بار دھونا سنت اور افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ایک دفعہ اعضاء دھو کر اور دو دو دفعہ اعضاء دھو کر اور تین تین بار اعضاء دھو کر وضوء کیا اور تین تین بار دھونے کو اپنا اور اپنے سے پہلے انبیاء کا وضوء قرار دیا جس کے بعض حوالے گذر چکے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک ایک مرتبہ وضوء کرنا دو دو مرتبہ وضوء کرنا اور تین تین مرتبہ وضوء کرنے کی احادیث بے شمار ہیں ملاحظہ ہوں بخاری ج ۱ ص ۲۷۔ ترمذی ج ۱ ص ۷ اور ابوداؤد ص ۱۸ ج ۱) اور حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں بھی اعضاء کو تین تین دفعہ دھونے کا ذکر ہے ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۷، ۱۳۵، ۱۵۸ وغیرہ۔ اور حضرت عثمانؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں بھی تین تین دفعہ کا ذکر ہے ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۲۷، ۲۸ مسند احمد ج ۱ ص ۶۱، ۶۸ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴ وغیرہ)

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ الطوسی روایت نقل کرتے ہیں ’’**عن داؤد بن زربی قال سألت ابا عبداللہ علیہ السلام عن الوضوء فقال لی توضاء ثلاثا۔** (تھذیب الاحکام ج ۱ ص ۸۲) داؤد بن ابی زربی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبد اللہ علیہ السلام سے وضوء کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تین دفعہ وضوء کر اور یہی روایت الاستبصار ج ۱ ص ۷۱ میں بھی ہے۔

مگر اس کی یوں تاویل کی کہ یہ تقیہ کی وجہ سے ہے۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وضوء کیا **ثم غسلت وجھی ثلاثا فقال قد یجزیک من ذالک مرتین** (تھذیب الاحکام ج ۱ ص ۹۳) پھر میں نے تین مرتبہ چہرہ دھویا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ تجھے دو مرتبہ بھی کافی تھا۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ حضرت علیؓ نے تین دفعہ چہرہ دھویا اور اس میں تقیہ کا عذر بھی نہیں چل سکتا اس لئے کہ وضوء کرنے والے حضرت علیؓ ہیں اور دیکھ کر تعلم دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو تقیہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب صحیح روایات سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین تین بار اعضاء کو دھو کر وضوء کرنا ثابت ہے تو تین دفعہ اعضاء دھونے کو حرام یا بدعت کہنا بالکل غلط ہے۔

☆......ساتواں مسئلہ۔ ہاتھ کس طرف سے دھوئے جائیں......☆

پروفیسر صاحب نے اپنا اور اپنے ہم مذہب لوگوں کا نظریہ یہ بتایا ہے کہ ہاتھ کہنیوں کی طرف سے دھونے شروع کرے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ احتیاط واجب کی بنا پر چہرے اور ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کی طرف دھونا چاہیے اگر نیچے سے اوپر دھویا جائے تو وضوء باطل ہے (ص ۱۳) اس کے برخلاف اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں سے شروع کیا جائے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وایدیکم الی المرافق** کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ تو اللہ تعالیٰ نے دھونے کی انتہاء کہنیوں کو قرار دیا ہے۔ اگر کسی نے اس کا الٹ کیا تو جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کا وضوء تو صحیح ہوگا **الا ان یکون ترکا للسنۃ** (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۰) مگر سنت چھوڑنے والا ہوگا۔ باقی رہی یہ بات کہ حدیث میں آتا ہے کہ انگلیوں کی جانب سے گناہ جھڑتے ہیں تو اس کو اہل سنت کے عمل کے خلاف پیش نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اہل سنت وضوء کرتے وقت انگلیوں کی جانب سے شروع کرتے ہیں اور پھر ہاتھ الٹا کر کہنیوں کی جانب سے بھی دھوتے ہیں تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور پھر اہل سنت وضوء کے بعد ہاتھ نیچے کی جانب ہی کر کے اٹھتے ہیں تو اس حدیث پر ان کا مکمل عمل ہے۔ جبکہ شیعہ حضرات کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے اس لئے کہ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب آدمی پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے گناہ جھڑتے ہیں اول تو شیعہ حضرات پاؤں دھونے کے قائل ہی نہیں پھر مسح کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے شروع کرتے ہیں اور کعب تک مسح کرتے ہیں تو انگلیوں کی جانب سے گناہ جھڑنے کی روایت شیعہ حضرات کے خلاف ہے۔

☆......اعتراض......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب اہل سنت کے عمل پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے معتبر علماء نے اپنی کتب میں **الی المرافق** کے معنی **مع المرافق** کئے

ہیں (جلالین فتح الباری) مطلب یہ ہوا کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے (ص ۲۸) اس میں پروفیسر صاحب کا مقصد یہ ہے کہ الی المرافق میں الی کو انتہا کے لئے نہیں بلکہ مع کے معنی میں لیا گیا ہے تو پھر انگلیوں سے ابتداء نہیں ہوگی۔

پہلا جواب...... ☆ بے شک مفسرین کرام نے **الی المرافق** کے معنی **مع المرافق** اور **الی الکعبین** کے معنی **مع الکعبین** کئے ہیں مگر اس سے ہاتھوں کو کہنیوں کی جانب سے دھونا تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس صورت میں بھی ہاتھوں کو اور پاؤں کو انگلیوں کی جانب سے ہی دھونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ حضرات مفسرین کرام نے وضاحت کی ہے کہ **الی المرافق** اور **الی الکعبین** کی قید اسقاط ماراء کے لئے ہے یعنی ان سے اوپر والے حصہ کو دھونے کے حکم سے خارج کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ عربی زبان میں ''ید'' ہاتھ کی انگلیوں سے لیکر کندھے کے جوڑ تک سارے بازو کو کہتے ہیں اور ''رِجل'' پاؤں کی انگلیوں سے لیکر ران کے جوڑ تک ساری ٹانگ کو کہتے ہیں۔ اگر **الی المرافق** اور **الی الکعبین** کی قید نہ ہوتی تو جس طرح سارے چہرے کو دھویا جاتا ہے اسی طرح سارے بازو اور ساری ٹانگ کو دھونا پڑتا جب یہ قید آ گئی تو واضح ہو گیا کہ ''یدین'' (ہاتھوں) کا دھونا مرافق (کہنیوں) سے اوپر اور پاؤں کا دھونا کعبین (ٹخنوں) سے اوپر ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اوپر کا حصہ دھونے کے حکم سے خارج ہے۔ اس لحاظ سے **الی المرافق** کا معنی **مع المرافق** اور **الی الکعبین** کا معنی **مع الکعبین** ہو گیا اور یہ دھونے کی فرض جگہ کی آخری حد ہیں۔ جب یہ آخری حد ہیں تو ابتداء انگلیوں کی طرف سے ہی ہوگی اور یہی سنت ہے۔

دوسرا جواب...... ☆ ''جس طرح ہاتھ دھونے میں **الی المرافق** کی قید ہے اسی طرح پاؤں میں بھی **الی الکعبین** کی قید ہے اور اس میں شیعہ حضرات بھی پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے شروع کرنے کے قائل ہیں جب ایک جگہ انگلیوں کی جانب سے شروع کرنے کے شیعہ حضرات بھی قائل ہیں تو دوسری جگہ یعنی ہاتھوں میں انگلیوں کی جانب سے شروع کرنے سے وضوء کیونکر باطل ہو جاتا ہے؟

☆......شیعہ ضد کی اصل وجہ......☆

شیعہ حضرات جو کہنیوں کی جانب سے ہاتھ دھونے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس بارہ میں بضد ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن کریم کی اس موجودہ قرأت **الی المرافق** کو نعوذ باللہ اصل قرأت ہی نہیں مانتے اس لئے کہ ان کے نزدیک اصل قرأت **من المرافق** ہے۔

چنانچہ شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ الھیثم بن عروہ التمیمی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالی کے اس فرمان ''**فاغسلوا وجوھکم وایدیکم من المرافق**'' کے متعلق پوچھا **فقال لیس ھکذا تنزیلھا انما ھی فاغسلوا وجوھکم وایدیکم من المرافق** (تھذیب الاحکام ج اص ۵۷)

تو انھوں نے کہا قرآن کریم کی اس آیت کا نزول اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے ''**فاغسلوا وجوھکم وایدیکم من المرافق**'' کہ اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں کی جانب سے دھوو۔ تھذیب الاحکام کے حاشیہ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت الکافی ج اص ۱۰ اور الاستبصار ص ۵۸ ج ا۔ میں بھی ہے۔

☆......آٹھواں مسئلہ۔ سر کا مسح......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ شیعہ سر کے بعض حصے یعنی سر کے اگلے حصے کا مسح کرتے ہیں جبکہ اہل سنت سر کا مسح کرتے وقت گردن کو بھی شامل کرتے ہیں (ص ۱۱) پھر آگے لکھتے ہیں ان دلائل سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ سارے سر پر اور خاص طور پر گردن اور کانوں کا مسح کرنا قرآن کی آیت سے تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ سر کے بعض حصے اور خاص کر مقدم حصے کا مسح کرنا ثابت ہو رہا ہے۔ (۲۹)

پروفیسر صاحب مسح کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے مسح جائز ہے لیکن احتیاط واجب کی بنا پر دائیں ہاتھ سے مسح کرنا چاہیئے (۱۴) اس میں پروفیسر

صاحب نے شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے چار باتیں ذکر کی ہیں اول یہ کہ سارے سر کا مسح درست نہیں دوم یہ کہ گردن کا مسح درست نہیں سوم یہ کانوں کا مسح رست نہیں اس لئے کہ یہ قرآن کی آیت سے ثابت نہیں ہورہے اور چہارم یہ مسح میں حتیاط واجب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے مسح کیا جائے۔ اس کے برخلاف اہل سنت کا ظریہ یہ ہے کہ سارے سر کا مسح کرنا کم از کم سنت ہے۔ کانوں کا مسح بھی سنت ہے۔ سر ا مسح کرتے وقت ہاتھوں کو گدی تک لے جانا بھی سنت ہے۔ جس میں گردن کا کچھ صہ بھی آجاتا ہے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

جب یہ کام اہل سنت کے نزدیک سنت ہیں تو ان کی دلیل بھی سنت سے ب کرنی چاہئے یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہ قرآن کی آیت سے ثابت نہیں تو یہ انداز بالکل ط ہے۔

چنانچہ خود پروفیسر صاحب نے وضوء میں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھونا اور پھر ن مرتبہ کلی کرنا اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا تسلیم کیا ہے اور ان کے بارہ میں کہا ، کہ یہ تینوں کام سنت ہیں واجب نہیں (ص ۱۲) حالانکہ ان میں سے کوئی بھی قرآن یم کی آیت سے ثابت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کام سنت ہیں ان کی دلیل ن کریم کی آیت سے تلاش نہیں کی جاتی تو اہل سنت بھی سارے سر کے مسح کو سنت ، ہیں اس لئے ان کی تردید میں یہ کہنا کہ یہ قرآن کی آیت سے ثابت نہیں یہ سراسر ت یا محض ہٹ دھرمی ہے۔

☆......سر کے مسح کی احادیث......☆

سارے سر کا مسح صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ ؤحضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم مسح راسه بيده يهما وادبر بدأ بقدم رأسه حتى ذهب بها الى قفاه ثم ردهما الى ان الذى بدأ منه (بخاری ج ا ص ۳۱)

پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا تو ہاتھوں کو آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے لائے اور سر کے اگلے حصہ سے ابتداء کی یہاں تک کہ ان کو گدی تک لے گئے پھر ان کو اسی جگہ پر واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا (اور ہاتھوں کو گدی تک لے جانے کی روایت ترمذی جلد ا ص ۷۔ ابوداؤد ج ا ص ۱۶ اور کنز العمال ص ۲۵۴ جلد ۹ وغیرہ میں بھی ہے) ایک اور روایت میں ہے فاقبل بيده وادبر (مسلم ج ا ص ۱۲۳) پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لے گئے۔

اور عبد خیر کی سند میں حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضو کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم مسح راسه بيديه كلتيهما" (مسند احمد ج ا ص ۱۳۵) پھر اپنے سر کا دونوں ہاتھوں کے ساتھ مسح کیا۔

اور یہ روایت ابن ابی شیبہ ج ا ص ۸۔ دار قطنی ج ا ص ۱۹۰ اور صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۷۶ وغیرہ میں بھی ہے۔

اور حضرت ربیع بنت معوذؓ نے حضور علیہ السلام کا جو وضوء پوچھنے والوں کو بتایا اس میں ہے "ثم مسح رأسه مقدمه وموخره" (کنز العمال ج ۹ ص ۲۵۶) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے اگلے اور پچھلے حصہ کا مسح کیا۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کرنا شیعہ کتب میں بھی ہے چنانچہ ابوجعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ ابوجعفر علیہ السلام نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم مسح ببلة مابقي في يديه رأسه" (الاستبصار ج ا ص ۵۸) پھر جو تری آپ کے دونوں ہاتھوں میں تھی اس کے ساتھ اپنے سر کا مسح کیا۔ الاستیصار کے حاشیہ میں ہے کہ یہ روایت التھذیب ج ا ص ۱۶ اور الکافی جلد ا ص ۸ میں بھی معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ ان روایات سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کرنا سنت ثابت ہوتا ہے۔ اور ابوجعفر الطوسی نے ایک اور ب روایت

نقل کی کہ حسین بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے ایسے آدمی کے بارہ میں پوچھا جس نے اپنے سر کا پیچھے کی جانب سے مسح کیا اپنی انگلی کے ساتھ جبکہ اس سر پر پگڑی تھی کیا اس کا یہ عمل جائز ہے تو انھوں نے فرمایا ہاں جائز ہے (تھذیب الاحکام ج ا ص ۱۹ اور یہ روایت الاستبصار ج ا ص ٦٠ میں بھی ہے اس روایت سے معلوم ہوا کہ سر کا پچھلا حصہ بھی مسح کا محل ہے۔

☆......نواں مسئلہ۔ گردن کا مسح......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب نے لکھا کہ گردن کا مسح ثابت نہیں ہے اس کے برعکس جمہور اہل سنت کا نظریہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا سر کے مسح میں ہاتھوں کو گدی تک لے جانا ثابت ہے اور اس سے گردن کا کچھ مسح بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

اس لئے گردن کا مسح کم از کم مستحب ہے۔ گردن کے مسح سے متعلق جو بعض احادیث وارد ہیں تو حضرات محدثین کرامؒ نے ان کی فنی حیثیت کو واضح کیا ہے کہ گدی تک لے جانے والی روایات کے علاوہ دیگر روایات اگرچہ انفرادی طور پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتی بلکہ ان میں کمزوری ہے مگر مجموعی طور پر ان سے کم از کم استحباب ضرور ثابت ہو جاتا ہے اسی لئے جمہور اہل سنت گردن کے مسح کے سنت یا مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

روفیسر صاحب کی غلط فہمی......☆ پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ ساحب نیل الاوطار بھی پورے سر کے مسح کو بدعت لکھتے ہیں فرماتے ہیں "مسح رقبة لیس ھو سنة بل بدعة "یعنی وضوء میں گردن کا مسح کرنا سنت نہیں بلکہ عت ہے (نیل الاوطار ج ا ص ۱۹۳)۔ (ص ۳۰) پروفیسر صاحب کو یہاں دو طرح ط فہمی ہوئی ہے یا انہوں نے جان بوجھ کر صاحب نیل الاوطار قاضی شوکانیؒ کی طرف ط بات منسوب کی ہے۔

پروفیسر صاحب کو ایک غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ سح الرقبہ کو بدعت کہنے سارے سر کے مسح کو بدعت کہنا ثابت ہوتا ہے اور دوسری

غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے امام نوویؒ کی عبارت کو صاحب نیل الاوطار کی عبارت سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ انکی اپنی نا سمجھی ہے۔

امام نوویؒ گردن کے مستقل مسح کو تو بدعت کہتے ہیں مگر سر کے مسح میں ہاتھوں کو گدی تک لے جانے یا سارے سر کے مسح کو بدعت ہرگز نہیں کہتے بلکہ اس کو ثابت مانتے ہیں۔ اس لئے مسح رقبہ کو بدعت کہنے سے ان کے نزدیک بھی سارے سر کے مسح کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ پروفیسر صاحب نے اس عبارت سے سمجھ لیا ہے

پھر پروفیسر صاحب یہ عبارت صاحب نیل الاوطار قاضی شوکانیؒ کی قرار دے رہے ہیں حالانکہ یہ عبارت امام نوویؒ کی ہے۔ جس کی تردید میں قاضی شوکانی نے بعض روایات نقل کر کے آخر میں لکھا ہے" **وبجمیع ھذا تعلم ان قول النوویؒ مسح الرقبة بدعة وان حدیثه موضوع مجازفة** (نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۱)

اس ساری بحث سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ امام نوویؒ کا گردن کے مسح کو بدعت کہنا اور اس کی حدیث کو موضوع کہنا بالکل بے تکی بات ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ قاضی شوکانی تو اس عبارت کے مفہوم کی تردید کر رہے ہیں اور پروفیسر غلام صابر صاحب یہ عبارت ان کی قرار دے رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

☆......شیعہ کتب سے......☆

اہل سنت تو سر کا مسح کرتے وقت ہاتھوں کو گدی تک لے جانا سنت سمجھتے ہیں اور ان کا نظریہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے جن کے حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں خود شیعہ کتب میں بھی سر کا مسح کرتے وقت ہاتھوں کو گدی تک لے جانے کی روایات موجود ہیں چنانچہ ابو جعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ حسین بن ابی العلاء کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے سر کے مسح کے بارہ میں پوچھا تو انھوں نے کہا "**کانی انظر الی عکنة فی قفا ابی یمر علیها یده وسألته عن الوضوء بمسح الرأس مقدمه ومؤخره قال کانی انظر الی عکنة فی رقبة ابی**

یمسح علیھا (تھذیب الاحکام ج اص ۹۰ اور حاشیہ والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت الاستبصار ص ۶۱ ج ا میں بھی ہے)

گویا کہ میں اپنے باپ کی گدی میں عکنہ (لڑھکتا ہوا گوشت) کی جانب دیکھ رہا ہوں کہ اس پر وہ ہاتھ پھیر رہے تھے۔ اور میں نے وضوء میں سر کے اگلے حصے او رپچھلے حصے پر مسح کے بارہ میں پوچھا تو انھوں نے کہا گویا کہ میں اپنے باپ کی گردن کے لڑھکتے ہوئے گوشت کی جانب دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس پر مسح کرتے تھے

جب شیعہ حضرات کے امام نے گردن کے لڑھکتے ہوئے گوشت پر ہاتھ پھیر کر اس کے مسح کا ذکر کیا اور سر کے آگے اور پیچھے کے حصہ کے مسح کے سوال کے جواب میں یہ کہا کہ میرا باپ گردن کے لڑھکتے ہوئے گوشت پر مسح کرتا تھا تو گردن کے مسح اور سارے سر پر مسح کا ثبوت تو شیعہ حضرات کے دو اماموں سے ہو گیا اس لئے کہ ایک امام اپنے پ کا عمل نقل کر رہا ہے اور یہ دونوں باپ بیٹا شیعہ حضرات کے امام ہیں۔

☆......دسواں مسئلہ۔ کانوں کا مسح......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب نے شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا لہ کانوں کا مسح ثابت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہے اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ کانو ، کا مسح سنت ہے اس بارہ میں ''الأذنان من الرأس' والی روایت کے بعض حوالے پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اور الأذنان من الرأس والی روایت حضرت ئشہ صدیقہؓ سے کنز العمال ج ۹ ص ۱۸۴ میں اور حضرت ابوامامہؓ۔ حضرت ابوھریرہؓ حضرت عبداللہ بن زیدؓ۔ حضرت انسؓ۔ حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے کنز ال ج ۹ ص ۱۹۴ میں بھی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر ، دکھایا تھا اس میں ہے'' ومر بیدیه علی ظاهر اذنیه (کنز العمال ج ۲ ص ۲۵۱) اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے ظاہر پر پھیرا۔

اور حضرت براء بن عازبؓ نے حضور علیہ السلام جیسا وضوء جو کر کے دکھایا اس میں

ہے ''ثم مسح رأسه واذنیه ظاهر هما وباطنهما (کنز العمال ج ۹ ص ۲۵۳ پھر اپنے سر اور دونوں کانوں کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا۔

اور حضرت ربیع بنت معوذؓ نے جو حضور علیہ السلام کا وضوء بتایا اس میں ہے'' ومسح اذنیه مع مؤخر رأسه (کنز العمال ص ۲۵۶ ج ۹) اور سر کے پچھلے حصہ کے ساتھ اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اسمیں ہے'' ثم مسح بها رأسه واذنیه (ابوداوٗد ج اص ۱۸) پھر اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اور حضرت ابن عباسؓ کی کانوں کے مسح سے متعلق روایت ترمذی ج اص ۷ میں بھی ہے۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کے ابوجعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ علی بن رباب نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا'' **الأذنان من الرأس قال نعم قلت فاذا مسحت رأسی مسحت اذنی قال نعم** (الاستبصار ج اص ۶۴ حاشیہ والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت التھذیب ج اص ۱۸ میں بھی ہے) کیا کان سر میں سے ہیں تو فرمایا ہاں میں نے کہا جب میں سر کا مسح کروں تو کانوں کا مسح بھی کروں تو کہا ہاں۔ شیعہ حضرات بے شک اسکی تاویل یہ کریں کہ یہ تقیہ کی وجہ سے کیا تھا مگر اپنے آدمی کو مسئلہ بتانے میں تقیہ کا عذر بالکل فضول بات ہے۔

☆......گیارھواں مسئلہ۔ پاؤں کا دھونا......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت وضوء میں پاؤں کو دھوتے ہیں جبکہ شیعہ پاؤں کا مسح کرتے ہیں پاؤں دھونے سے ان کا وضوء باطل ہو جاتا ہے (ص ۱۱)

اہل سنت جو وضوء میں پاؤں دھوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کے لئے کئے گئے وضوء میں پاؤں کو دھویا ہے جبکہ

پاؤں ننگے ہوں اور اگر موزے پہنے ہوئے ہوں تو ان پر مسح کیا ہے۔ طہارت کے لئے کئے گئے وضوء میں کسی ایک دفعہ بھی ننگے پاؤں ہونے کی صورت میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پاؤں پر مسح ثابت نہیں ہے اور اہل سنت قرآن کریم کے مفہوم کی عملی تفسیر وہی معتبر سمجھتے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء میں پاؤں دھونے کی روایات بے شمار ہیں ان میں سے حضرت عمرو بن عبسہؓ کی روایت ہے جس میں ہے کہ انھوں نے حضور علیہ السلام سے وضوء کا طریقہ دریافت کیا تھا تو اس روایت میں ہے ''**ثم یغسل قدمیہ الی الکعبین کما امرہ اللہ**'' (تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۲۷) پھر ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوئے جیسا کہ اللہ تعالی نے اس کا حکم دیا ہے۔ اور حضرت کعب بن مرہؓ سے بھی اس قسم کی روایت تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۲۹ میں ہے۔ اور حضرت علیؓ کا ارشاد ہے ''**اغسلوا الأقدام الی الکعبین** (تفسیر طبری ج۶ ص۱۲۶) ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوؤ۔ حضرت علیؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا ان میں سے عبد خیر نے جو روایت کی ہے اس میں ہے ''**وغسل رجلیہ**'' (مسند احمد ج۱ ص۱۲۳) اور عبد خیر ہی سے ایک روایت میں ہے ''**ثم غسل رجلیہ ثلاثا ثلاثا**'' (مسند احمد ج۱ ص۱۲۵) اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے ''**وغسل قدمیہ ثلاثا ثلاثا** (مسند احمد ج۱ ص۱۵۴) اور اپنے پاؤں کو تین مرتبہ دھویا۔

اور حضرت عثمانؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے ''**وغسل قدمیہ ثلاثا** (مسند احمد ج۱ ص۶۱) اور ایک روایت میں ہے ''**ثم غسل رجلیہ الی الکعبین ثلاث مرات** (مسند احمد ج۱ ص۶۸) پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوئے۔

اور حضرت رفاعہ بن رافعؓ اور حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ''**ویغسل رجلیہ**'' (احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۳۶) اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور پاؤں دھونے کی روایات تقریبا تمام حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے ایسے آدمی کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے باقی سارا وضوء کرلیا پھر اپنے پاؤں پانی میں ڈبو دیئے تو کیا اس کا وضوء جائز ہے تو انھوں نے کہا ''**اجزأہ ذلک**'' کہ اس کے لیئے جائز ہے (الاستبصار ج۱ ص۶۵۔ تھذیب الاحکام ج۱ ص۶۶)

اور روایت جس میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وضو کیا تو اس روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ''**وغسلت قدمی فقال لی یا علی خلل مابین الاصابع لا تخلل با لنار** (تھذیب الاحکام ج۱ ص۹۳۔ الاستبصار ج۱ ص۶۶) اور میں نے اپنے پاؤں دھوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے علی انگلیوں کے درمیان خلال کرو تا کہ آگ خلال نہ کرے۔

اس روایت میں تقیہ کا عذر بالکل فضول ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام حضرت علیؓ کو تعلیم دے رہے ہیں اور حضرت علیؓ اس کے مطابق عمل کر رہے ہیں تو ڈر اور خوف کس کا کہ تقیہ کا تصور کیا جاسکے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایوب بن نوح کہتے ہیں کہ میں نے ابو الحسن علیہ السلام کی جانب لکھا اور ان سے پاؤں پر مسح سے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا ''**الوضوء بالمسح و لا یجب فیه الا ذالک و من غسل فلا باس** (تھذیب الاحکام ج۱ ص۶۴۔ الاستبصار ج۱ ص۶۵) کہ وضوء میں واجب تو مسح ہی ہے اور جس نے پاؤں کو دھولیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا ''**وان نسیت**

سح رأسک حتی تغتسل رجلیک فامسح رأسک ثم اغسل جلیک (فروع کافی ج۳ص۳۵)

اگر تو بھول کر سر کے مسح سے پہلے پاؤں دھولے تو (یاد آنے پر) سر کا مسح کر ور پھر اپنے پاؤں دھولے۔

نب شیعہ روایات میں بھی ان کے ائمہ سے پاؤں کا دھونا ثابت ہے تو پروفیسر صاحب ،ران کے ہمنوا لوگوں کا پاؤں دھونے کی وجہ سے وضوء کو باطل قرار دینا سراسر ہٹ ھرمی اور تعلیمات ائمہ کی خلاف ورزی ہے۔

☆......بارھواں مسئلہ۔کیا وضوء میں پاؤں کا مسح جائز ہے؟......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ شیعہ پاؤں کا مسح کرتے ہیں پاؤں ںونے سے ان کا وضوء باطل ہوجاتا ہے (ص۱۱) مگر اہل سنت کے نزدیک طہارت ے لئے کئے گئے وضوء میں جبکہ پاؤں پر موزے نہ ہوں تو پاؤں پر مسح کرنے سے وضو ہوتا ہی نہیں اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور بعینؒ سے کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ انھوں نے طہارت کے لئے کئے گئے سوء میں پاؤں پر مسح کیا ہو اسی لئے امام سیوطیؒ سے روایت نقل کرتے ہیں ـضت السنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم والمسلمین بغسل قدمین '' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی سنت پاؤں کے دھونے کی ی آرہی ہے اور پھر امام سیوطیؒ نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے '' لم اراحد مسح علی القدمین (تفسیر درمنثور ج۲ص۲۶۲) کہ میں نے کسی کو پاؤں پر مسح ـرتے نہیں دیکھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کے بارہ میں واضح ارشاد موجود ہے ںوں نے وضوء کرتے وقت پاؤں کا کچھ حصہ خشک چھوڑ دیا تھا ویل للاعقاب من نار۔جو ایڑیاں وضوء میں خشک رہ گئی ہیں ان کے لئے ویل یعنی جہنم کی وادی ہے یا

ان کے لئے بربادی ہے یہ روایت حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ حضرت شرجیل بن حسنہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ سے ہے (کنز العمال ج۹ص۱۸۵) اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بخاری ج۱ص۲۸ اور مسلم ج۱ص۱۲۵ میں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مسلم ج۱ص۱۲۴ میں ہے اور حضرت ابوھریرہؓ سے ترمذی ج۱ ص۸ میں موجود ہے اور بعض روایات میں ''ویل للعراقیب من النار'' کے الفاظ ہیں (ابن ماجہ ص۳۶۔طحاوی ج۱ص۲۳۔مسند احمد ص۳۶۹۔۳۹۰۔۳۹۳)

اسی لئے امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پاؤں پر مسح کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''ویل للاعقاب سے وعید نہ فرماتے (معالم السنن ج۱ص۸۶)

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کی تھذیب الاحکام اور الاستبصار کے حوالہ سے پہلے یہ روایت بیان کی جاچکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ انگلیوں کے درمیان خلال کروتا کہ جھنم کی آگ ان میں داخل نہ ہو۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ وضوء میں مسح کافی نہیں ہے ورنہ انگلیوں کے درمیان خلال نہ کرنے کی وجہ سے جھنم کی آگ داخل ہونے کی وعید نہ ہوتی۔

☆......تیرھواں مسئلہ۔اختلاف قرأت......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں جب عربوں نے دوسرے ممالک کو فتح کیا اور غیر عرب یعنی عجم کے لئے قرآن خوانی میں دقتیں پیدا ہوئیں تو حجاج بن یوسف ثقفی کے دور میں قرآن پر اعراب لگائے گئے اس لئے قرآن کے اعراب اور قرآن کی قراءت کے بارے میں علماء کا اختلاف رہا ہے (ص۳۰) پھر آگے پروفیسر صاحب سوالیہ انداز میں لکھتے ہیں کہ قرآن کی قراءت کا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے کتنی دیر بعد ہوا؟ (ص۳۳) پروفیسر صاحب نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ قرأت کا اختلاف حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد اور

بالخصوص حجاج بن یوسف کے قران کریم پر اعراب لگانے کی وجہ سے ہوا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اسلئے کہ قرأت کا اختلاف تو حضورﷺ نے خود بتلایا جیسا کہ حضرت عمرؓ کی روایت کہ ہشام بن حکیمؓ کو میں نے ایسے انداز سے پڑھتے دیکھا جس انداز سے حضور علیہ السلام نے مجھے نہیں سکھایا تھا تو میں اسکو پکڑ کر حضورﷺ کے پاس لے گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہشامؓ سے فرمایا کہ تم پڑھو تم کیسے پڑھ رہے تھے جب انھوں نے پڑھ کر سنایا تو آپ نے فرمایا "ھکذا انزلت" یہ تو اسی طرح اتارا گیا ہے پھر مجھے فرمایا کہ تم پڑھو تو میں نے اسی طرح پڑھ کر سنایا جس کے مطابق آپ نے مجھے تعلیم دی تھی تو آپ نے فرمایا "ھکذا انزلت" یہ تو اسی طرح اتارا گیا ہے پھر آگے فرمایا "ان القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرؤا ماتیسر منه (بخاری ج ا ص ۳۲۶۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۱۸) بے شک قرآن کریم سات قراءتوں میں اتارا گیا ہے جو آسان لگے اس میں پڑھو۔ اس روایت سے واضح ہو گیا کہ جو قرائتیں مشہور ہیں ان قراءتوں میں اختلاف حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد نہیں ہوا بلکہ یہ اختلاف حضورﷺ کے عہد مبارک میں بھی تھا اور ان میں سے ہر ایک کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی۔

منکرین حدیث احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بہت عرصہ بعد لکھی گئیں اس لئے ان کا کیا اعتبار ہے؟

ان کے جواب میں علماء کرام نے فرمایا کہ کیا جو روایات، حدیث کی کتابوں میں محدثین کرامؒ نے لکھی ہیں تو کیا وہ لکھنے سے پہلے نہ تھیں؟ جب حضورﷺ کے زمانہ سے نقل ہوتی ہوتی کتابیں لکھنے والوں تک پہنچ گئیں اور لکھنے والوں نے کتابیں لکھ دیں تو اس لکھنے کی وجہ سے احادیث پر اعتراض تو نری حماقت ہے

اسی طرح ہم پروفیسر صاحب سے گذارش کرتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف کے دور میں لگائے گئے ہیں مگر ان اعراب کے مطابق

قرآن کریم کی تلاوت کیا اعراب لگانے سے پہلے نہیں ہوتی تھی اگر ہوتی تھی اور یقیناً ہوتی تھی۔ اور یہی معروف ومشہور قرأت تھی تو (اعراب اس دور میں لگتے یا بعد میں لگتے یا بالکل ہی نہ لگتے اس سے پہلے سے جاری قراءت کے مطابق قراءت پر اعتراض کیسے ہوسکتا ہے؟ اعتراض کا یہ انداز تو سراسر منکرین حدیث کے انداز جیسا ہے۔

☆......قراء سبعہ کا تذکرہ......☆

پروفیسر صاحب نے اپنی اس کتاب میں قراء سبعہ کا تعارف بھی کرایا ہے جو جو انھوں نے "مولانا محمد تقی عثمانی دام مجدہم" کی کتاب تاریخ فقہ سے نقل کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ "ان سات قاریوں میں سے بعض نے ارجلِکم لام کسرہ کے ساتھ اور بعض نے ارجُلَکم لام کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔

☆......پروفیسر صاحب کا دعوی......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ کے نزدیک دونوں اعراب درست ہیں اگر ارجلکم کے لفظ پر زیر پڑھی جائے یا زبر پڑھی جائے دونوں صورتوں میں پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے (ص ۳۵)

اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب یہ دعوی کر رہے ہیں کہ دونوں قراءتوں کی صورت میں شیعہ کا اس پر عمل ہے حالانکہ قاعدہ کے مطابق ان کا یہ دعوی درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر ارجلکم کا عطف ایدیکم پر کر کے اس کو دھونے والے اعضاء میں شامل کیا جائے جیسا کہ اہل سنت کرتے ہیں تو اس پر شیعہ حضرات کا عمل نہیں اس لئے کہ وہ پاؤں کے دھونے کے قائل ہی نہیں۔ اور اگر اسکو براہ راست "وامسحوا" کا مفعول بنایا جائے جیسا کہ خود پروفیسر صاحب نے بھی لکھا ہے کہ اگر ارجلکم کے لام پر زبر پڑھی جائے تو پھر پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے۔ ارجلکم لفظ وامسحوا کا مفعول ہے لہٰذا زبر درست ہے (ص ۳۹)

یہ لکھتے وقت شاید پروفیسر صاحب اپنا نظریہ بھول گئے ہیں کہ ان کے

نزدیک پاؤں کے بعض حصہ کا مسح واجب ہے جبکہ ارجلکم کو وامسحوا کا مفعول بنانے کی صورت میں سارے پاؤں کا مسح کرنا ضروری ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بعضیت اس باء کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے جو برؤسکم میں ہے۔

جیسا کہ خود پروفیسر صاحب لکھتے ہیں ان اقوال سے اور برؤسکم کی ب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سر کے بعض حصے کا مسح کرنا چاہئے

چنانچہ صاحب منتھی الارب لکھتے ہیں کہ وامسحوا برؤسکم کی ب بھی اسی طرح بعضیت کے معنی دیتی ہے (ص ۲۸) اور ایک مقام میں لکھتے ہیں "برؤسکم کی ب بعضیت کے معنی دیتی ہے (ص ۳۳) جب ب بعضیت کا معنی دیتی ہے اور ارجلکم کو باء کے تحت شامل ہی نہیں کیا گیا بلکہ براہ راست وامسحوا کا مفعول بنایا گیا ہے تو اسکی حیثیت ایسی ہوگئی جیسی فاغسلوا وجوھکم کی ہے اور چہرہ سارا دھونا ضروری ہے تو پاؤں سارے کا مسح بھی پروفیسر صاحب اور ان کے طبقہ کے ہاں ضروری ہونا چاہیے حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں ہیں اس لئے کہ انھوں نے خود لکھا ہے کہ پاؤں کا مسح جس قدر بھی ہو کافی ہے اگر چہ ایک انگلی ہو (ص ۱۶) اس لئے یہ دعوی غلط ہے کہ ارجلکم کے لام کے فتحہ کی صورت میں بھی شیعہ حضرات کا اس پر عمل ہے۔

☆......اہل سنت کا نظریہ......☆

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ارجلکم میں لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں قرأتیں درست ہیں مگر لام کے فتحہ کے ساتھ قرأت زیادہ مشہور ہے اور وارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے جو کہ ان اعضاء میں سے ہے جن کو دھویا جاتا ہے اور پاؤں بھی دھوئے جانے والے اعضاء میں سے ہے۔

اور اسکی تائید حضرت عمرو بن عبسہؓ کی روایت کرتی ہے کہ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب وضوء کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے جواب میں یہ بھی فرمایا "ثم یغسل قدمیه الی الکعبین کما امره الله تعالی (صحیح ابوعوانہ ص

۲۴۵۔۲۴۶ ج ا۔ ابن خزیمہ ج اص ۸۵) پھر وہ اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے جیسا کہ اس کو اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ قرآن کریم میں وارجلکم میں پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کے پاؤں پر ایک درہم برابر جگہ ایسی تھی جس پر پاؤں دھونے کے دوران پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ وضوء کرنے کا حکم فرمایا (ابوداؤد ج اص ۲۳) اور اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے وضوء کرتے ہوئے اپنے پاؤں کی ایک ناخن برابر جگہ خشک چھوڑ دی تھی تو انہوں نے حضور ﷺ کو وہ دکھایا تو آپ نے فرمایا ارجع فاحسن وضوءک (مسلم ص ۲۲۵ ج ا۔ ابوداؤد ج اص ۲۳) جاؤ جا کر اچھے طریقے سے وضوء کرو اگر پاؤں کا وضوء میں دھونا ضروری نہ ہوتا تو آپ ﷺ اسکو دوبارہ وضوء کرنے کا حکم نہ فرماتے اور آپ کا فرمان ہی قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

اعتراض......☆ اگر وضوء میں پاؤں کا دھونا ضروری ہوتا تو اسکو دھوئے جانے والے اعضاء چہرہ اور ہاتھوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا حالانکہ اس کو سر کے مسح کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔

جواب......☆ ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے اور وضوء میں ترتیب کا لحاظ کم از کم سنت ہے۔

☆......اہل سنت کا ارجلکم کی قرأت کے بارہ میں نظریہ......☆

اگر ارجلکم میں لام کا کسرہ پڑھا جائے تو یہ قراءت بھی اہل سنت کے نزدیک درست ہے پروفیسر صاحب نے جتنے قراء اور مفسرین کے حوالے دیئے ہیں کہ یہ ارجلکم میں لام کے کسرہ سے قرأت کرتے تھے تو بالکل درست ہے کہ وہ اسی انداز سے قراءت کرتے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی طہارت کے لئے کئے گئے وضوء

میں ننگے پاؤں ہونے کی صورت میں پاؤں کے مسح کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی سے ایسا ثابت ہے۔ اور جن لوگوں کے بارہ میں مثلاً حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کے بارہ میں جو آتا ہے کہ وہ مسح کے قائل تھے تو ان کے بارہ میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں'' وقد صح الرجوع عنهم '' (فتح الباری ج۱،ص۲۱۳) کہ ان سے رجوع ثابت ہے۔

☆......اہل سنت کا عمل اور ارجِلکم کی قرأت......☆

ارجلکم میں لام کے کسرہ کی قراءت کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل سنت کی جانب سے اس کی کئی طرح وضاحتیں کی گئی ہیں۔

پہلی وضاحت......☆ یہ کہ ارجلکم میں کسرہ جر جوار کی وجہ سے ہے اور جر جوار کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ لفظاً اس کا تعلق قریب سے ہوتا ہے لیکن معنیً اس کا تعلق پہلے سے ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ارجلکم میں اعراب کے لحاظ سے اس کا تعلق روسکم کے ساتھ ہے مگر معنی یعنی حکم کے لحاظ سے اس کا تعلق ایدیکم کے ساتھ ہے اور اسکی مثالیں کلام عرب میں بے شمار ملتی ہیں۔

☆......پروفیسر صاحب کا پیش کردہ نقشہ......☆

پروفیسر صاحب نے ایک نقشہ پیش کیا ہے جس میں انھوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ارجلکم کا تعلق ایدیکم پر عطف کر کے فاغسلوا کے ساتھ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا تعلق وامسحوا کے ساتھ ہی ہوگا۔ انھوں نے نقشہ یوں پیش کیا ہے۔

فاغسلوا (فعل) وجوهكم (مفعول) وايديكم الى المرافق (مفعول) وامسحوا (فعل) بروسكم (مفعول) وارجلكم الى الكعبين (مفعول) (انتم فاعل پوشیدہ ہے)۔ یہ نقشہ پیش کر کے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک جملہ کے مفعول کے اپنے فعل کو چھوڑ کر اس کا تعلق کسی اور جملہ کے فعل سے جوڑ دیا جائے (ص ۳۷) اور اس سے قبل پروفیسر صاحب نے

لکھا کہ ہم حیران ہیں کہ سکول میں چند کلاسیں پڑھنے والا بچہ بھی یہ جانتا ہے کہ ہر زبان کا جملہ فعل فاعل اور مفعول سے مکمل ہوتا ہے الخ۔ مگر ہمیں حیرانگی یہ ہے کہ ہمارے درس نظامی میں علم الصرف پڑھنے والا پہلے سال کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ امر حاضر معلوم کی گردان میں جمع کے صیغہ کا آخری حرف جو ضمیر ہوتا ہے وہی فاعل بنتا ہے اس لحاظ سے فاغسلوا اور وامسحوا کے آخر میں واو ضمیر بارز ہی فاعل ہے مگر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ انتم فاعل پوشیدہ ہے اور ہماری پروفیسر صاحب سے درخواست ہے کہ علم نحو کی ضربنی واکرمنی زید۔ اور ضربت واکرمت زیدا کی ابحاث کسی عالم سے پڑھ لیں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ایک فعل کے ساتھ مل کر آنے والے اسم کا تعلق قریب والے فعل سے چھوڑ کر پہلے فعل کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

دوسری وضاحت......☆ یہ کہ ارجلَکم لام کے فتحہ سے قرأت اس حالت پر محمول ہے جبکہ پاؤں پر موزے نہ ہوں اس حالت میں پاؤں دھوئے جائیں گے اور ارجِلکم کی قرأت اس حالت پر محمول ہوگی جبکہ پاؤں پر موزے ہوں اس حالت میں مسح کیا جائیگا (تفسیر قرطبی ج۶ص۹۳)

تیسری وضاحت......☆ یہ کہ پہلے اس کی گنجائش تھی کہ مسح کر لیا جائے مگر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا (چنانچہ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں'' وادعی الطحاوی وابن حزم ان المسح منسوخ'' (تحفۃ الاحوذی ج۱ص۵۰) امام طحاوی اور علامہ ابن حزم نے دعوی کیا ہے کہ بے شک پاؤں پر مسح کرنا منسوخ ہے) اور حکم منسوخ ہونے کے باوجود اس کی قرأت درست ہے جیسا کہ قرآن کریم میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۰ میں ہے کہ آدمی مرتے وقت والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت ضرور کرے مگر پھر وراثت کے احکام نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' لا وصیت لوارث'' کہ وارث کے حق میں وصیت کرنا درست نہیں اب اس آیت کی تلاوت باقی ہے مگر اس کا حکم منسوخ ہے اسی طرح ارجِلکم کی قراءت لام کے کسرہ سے باقی ہے مگر

اس کا حکم منسوخ ہے اور نسخ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اس روایت کو بنایا جاسکتا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سفر کے دوران ہم سے پیچھے رہ گئے اور عصر کی نماز کا وقت قریب تھا "فجعلنا نتوضأ ونمسح على ارجلنا فنادى باعلى صوته ويل للاعقاب من النار مرتين اوثلاثا (بخاری ج ۱ ص ۲۸) پس ہم نے وضوء کیا اور اپنے پاؤں پر مسح کیا تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ جو ایڑیاں خشک رہ گئیں ان کے لئے جہنم کی وادی ویل ہے اور ایک روایت کے الفاظ ہیں "كنا نمسح على ارجلنا" کہ ہم اپنے پاؤں پر مسح کرلیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا عمل بتاتا ہے کہ پہلے اس کی گنجائش تھی مگر جب حضور ﷺ نے ويل للاعقاب من النار کی وعید فرمائی تو اس سے پاؤں پر مسح کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔

چوتھی وضاحت...... ☆ یہ کہ بے شک ارجلِکم کی لام کے کسرہ سے قرأت ہے اور یہ برؤسکم کی با کے تحت داخل ہو کر وامسحوا کے ساتھ متعلق ہے اور پاؤں کا مسح ہے مگر پاؤں کے مسح سے غسل خفیف مراد ہے یعنی زیادہ شدت سے نہیں بلکہ ہلکے پھلکے انداز سے اس طرح دھونا کہ کوئی جگہ خشک باقی نہ رہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ فعل ایک ہی ہو مگر دو فاعل یا دو متعلق یا دو مفعول کی حیثیت الگ الگ ہونے کی وجہ سے اس فعل کی نوعیت مختلف ہوجائے۔ جیسا کہ ان الله وملائكته يصلون على النبی میں صلوۃ فعل ہے اور اللہ تعالی اور فرشتے اس کے فاعل ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی صلوۃ اور نوعیت کی ہے اور فرشتوں کی صلوۃ اور نوعیت کی ہے اسی طرح قرآن کریم میں زين للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة (سورۃ آل عمران آیت ۱۴) کہ لوگوں کیلئے عورتوں بیٹوں اور خزانوں کے بارہ میں خواہشات کی محبت مزین کی گئی ہے اس میں مزین کیا جانا فعل ہے اور خواہشات کی محبت اس کا نائب فاعل ہے مگر عورتوں سے خواہشات کی محبت اور نوعیت کی ہے۔ بیٹوں سے اور نوعیت کی اور خزانوں سے اور نوعیت کی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے واطیعو

الله ورسوله (سورۃ الانفال آیت نمبر ۱) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اس میں اطاعت فعل ہے واؤ ضمیر بارز اس کا فاعل ہے اور اللہ ورسولہ اس کے مفعول ہیں مگر اللہ کی اطاعت اور نوعیت کی ہے اور رسول کی اطاعت اور نوعیت کی ہے اس لئے کہ رسول کی اطاعت اقوال وافعال دونوں میں ہے جبکہ اللہ تعالی کے افعال میں اطاعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بعینہ اسی طرح وامسحوا برؤسكم وارجلكم میں بے شک سر اور پاؤں کے مسح کا حکم ہے مگر سر کے مسح کی نوعیت اور ہے اور پاؤں کے مسح کی نوعیت اور ہے اور جن حضرات نے پاؤں کے مسح کا قول کیا ہے انہوں نے بھی پاؤں کے مسح کو سر کے مسح کی طرح نہیں سمجھا جیسا کہ حضرت انسؓ کے بارہ میں ہے کہ انھوں نے ارجلکم کو لام کے کسرہ سے پڑھا جبکہ ان کا عمل یہ ہے اذا مسح قدميه بلّهما (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۲۸، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵) کہ جب وہ اپنے پاؤں کا مسح کرتے تو ان کو تر کرتے اور اسی کو غسل خفیف کہا جاتا ہے اس لئے ارجُلِکم کے لام کے کسرہ کی صورت میں بھی اہل سنت کا نظریہ بالکل واضح ہے۔

پروفیسر صاحب کا سوال...... ☆ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے معتبر عالم فخر الدین رازی نے ارجلکم کی بحث سے کیا نتیجہ نکالا؟ (ص ۴۰)

جواب...... ☆ پروفیسر صاحب سے گذارش ہے کہ جس عبارت کو وہ امام رازی کی بحث کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں وہ ان کی بحث کا نتیجہ نہیں بلکہ اس عبارت میں انہوں نے ایک طبقہ کا نظریہ پیش کیا ہے اور پھر واعلم کے الفاظ سے مخاطب کو توجہ دلا کر فرمایا کہ مخالفین کے نظریہ کا جواب دو طرح دیا جاسکتا ہے اور یہی ان کی بحث کا نتیجہ ہے" ﴿الاول﴾ ان الاخبار الكثيرة وردت بايجاب الغسل والغسل مشتمل على المسح ولا ينعكس فكان الغسل اقرب الى الاحتياط فوجب المصير اليه وعلى هذا الوجه يجب القطع بان غسل الرجل يقوم مقام مسحها ﴿والثانی﴾ ان الرجلين محدود الى الكعبين

والتحديد انما جاء فى الغسل لافى المسح (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۲) پہلی وجہ یہ ہے کہ بے شک اکثر احادیث پاؤں دھونے کے وجوب پر وارد ہوئی ہیں اور دھونا مسح کو مشتمل ہے اور اس کا الٹ نہیں ہو سکتا اس لئے احتیاط کے زیادہ قریب دھونا ہی ہے اس لئے اس کی جانب جانا واجب ہے اور اس صورت میں پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ پاؤں کا دھونا اس کے مسح کے قائم مقام ہے (یعنی پاؤں دھونے سے ضمناً مسح بھی ہو جاتا ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پاؤں کے دھونے کو کعبین تک محدود کیا گیا ہے اور تحدید دھونے میں تو آتی ہے۔ مسح کے بارہ میں تحدید نہیں آئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پروفیسر صاحب غور فرمائیں کہ امام رازیؒ تو پاؤں دھونے کو واجب فرما رہے ہیں اور یہی اپنی بحث کا نتیجہ نکال رہے ہیں۔

☆...... چودھواں مسئلہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء...... ☆

ہم نے وضوء کا مسنون طریقہ کی بحث میں باحوالہ حضور علیہ السلام کے وضوء کے بارہ میں ذکر کر دیا ہے یہاں ہم ان روایات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو پروفیسر غلام صابر صاحب نے ذکر کی ہیں چنانچہ انھوں نے ایک عنوان قائم کیا رسولؐ خدا کا وضوء بروایت حضرت امام علیؑ ۔۔۔۔۔ اور اس نے انھوں نے لکھا کہ روایت میں ہے **ومسح رأسه ورجليه الى الكعبين** اور حوالہ مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۸ کا دیا ہے (ص ۴۱)

پروفیسر صاحب پر تعجب ہے کہ وہ بروایت حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کا وضوء ثابت کر رہے ہیں تو وہ پوری روایت میں جو بیان کیا گیا ہے اس کو حضور علیہ السلام کا وضوء تسلیم کریں۔

اس میں ہاتھوں کا تین مرتبہ دھونا بھی ذکر ہے جبکہ پروفیسر صاحب لکھ چکے ہیں کہ ہاتھوں کو تین بار دھونا حرام ہے اور پھر جو عبارت پروفیسر صاحب نے پیش کی ہے اسمیں "**ورجليه الى الكعبين**" کے بعد بھی ثلاثا کے الفاظ ہیں مگر پروفیسر صاحب نے ان الفاظ کو ذکر کرنا بھی پسند نہیں کیا۔ اس روایت سے پروفیسر صاحب کا پاؤں

پر مسح کرنے کو دلیل بنانا درست نہیں اس لئے اس میں کوئی وضاحت نہیں کہ پاؤں پر مسح کیا تھا بلکہ ثلاثا کے الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ پاؤں دھوئے تھے اس لئے کہ جن اعضاء کا مسح ہے ان میں تثلیث نہیں بلکہ تثلیث (تین مرتبہ) ان اعضاء میں ہے جو دھوئے جاتے ہیں۔ جبکہ ابو مطر کے علاوہ دیگر راوی جب حضرت علیؓ کے وضوء کا بیان کرتے ہیں تو وضاحت سے "**وغسل قدميه ثلاثا**" کے الفاظ نقل کرتے ہیں جیسا کہ عبد خیر نے روایت کرتے ہوئے کہا "**ثم صب بيده اليمنى ثلاث مرات على قدمه اليمنىٰ ثم غسلها بيده اليسرى ثم صب بيده اليمنىٰ علىٰ قدمه اليسرىٰ ثم غسلها بيده اليسرى ثلاث مرات**" (مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۵) پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ تین مرتبہ اپنے دائیں پاؤں پر پانی بہایا پھر اس کو تین مرتبہ بائیں ہاتھ کے ساتھ دھویا۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پاؤں پر پانی بہایا پھر اسکو تین مرتبہ بائیں ہاتھ کے ساتھ دھویا۔ اور عبد خیر ہی کی روایت میں ہے "**وغسل رجليه ثلاثا**" (مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۹) اور عبد خیر ہی کی روایت میں ہے "**ثم غسل اليمنى ثلاثا ورجله الشمال ثلاثا**" (مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۴) پھر دایاں پاؤں تین مرتبہ کا اور بایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا۔ جب ان روایات میں پاؤں دھونے کی وضاحت ہے اور پروفیسر صاحب نے جو روایت پیش کی ہے اس میں دھونے کا قرینہ موجود ہے تو اس کو بھی دھونے پر ہی محمول کیا جائے گا۔

دوسری روایت...... ☆ پروفیسر صاحب روایت دوم کا عنوان قائم کر کے نزال بن سبرہ کی سند سے حضرت علیؓ کی وضوء والی روایت سے **ومسح برأسه ورجليه** کے الفاظ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے سر اور پاؤں کا مسح کیا اور حوالہ جصاص اور مسند احمد کا دیا ہے مگر پروفیسر صاحب کے انداز پر تعجب ہوا کہ اگر وہ واقعی اس مسئلہ میں تحقیق واضح کر رہے ہیں تو ان کو بدیانتی سے کام نہیں لینا چاہیے تھا بلکہ بات پوری نقل کرنی چاہیے تھی تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں جن کو پروفیسر صاحب نے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا جن دو کتابوں کے حوالے پروفیسر

صاحب نے دیے ہیں ان دونوں میں یہ الفاظ موجود ہیں ''**وقال هذا وضوء من لم يحدث**'' (تفسیر احکام القرآن للجصاص ج ۲، ص ۳۴۷، مسند احمد ج ۱، ص ۱۲۰) اور فرمایا کہ یہ اس شخص کے لئے وضوء جو پہلے سے بے وضوء نہ ہو۔ اور یہی روایت تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۔ میں بھی ہے اور اسمیں ہے کہ یہ اس شخص کے لئے وضوء ہے جو کہ محدث (بے وضو) نہ ہو۔

☆......شیعہ کتاب سے حوالہ......☆

حماد بن عثمان سے روایت ہے کہ میں ابوعبداللہ علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے وضوء کیا اور اس روایت میں الفاظ ہیں ''**ثم مسح على رأسه ورجليه وقال هذا وضوء من لم يحدث حدثا**'' (فروع کافی ج ۳ ص ۲۷) پھر اپنے سر اور پاؤں کا مسح کیا اور کہا کہ یہ اس شخص کے لئے وضوء ہے جو بے وضوء نہ ہو۔

اور اس بارہ میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ اگر آدمی بے وضوء نہ ہو بلکہ طاہر ہو تو وہ نئے وضوء میں پاؤں یا چہرہ پر مسح کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت (نزال بن سبرہ کی روایت میں حضرت علیؓ کے وضوء کا ذکر یوں ہے ''**فاخذ حفنة من ماء فمسح يديه وذراعيه ووجهه رأسه ورجليه**'' (مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۵۹) پھر ایک لپ پانی لیکر اپنے ہاتھوں اور کلائیوں اور چہرے اور سر اور اپنے پاؤں کا مسح کیا اور آخر میں فرمایا ''**هذا وضوء من لم يحدث**'' یہ اس شخص کو وضوء ہے جو پاک ہو۔

ابومطر اور نزال کی توثیق ......☆ پروفیسر صاحب نے خوامخواہ رعب جمانے کے لئے ابومطر اور نزال کی توثیق سے صفحات بھرے ہیں حالانکہ ان روایات میں اصل جو بات ہے اس کو پروفیسر صاحب نے نظر انداز کر دیا ہے۔ ابومطر کی روایت میں وضاحت ہی نہیں کہ ''پاؤں کا مسح کیا تھا'' اور نزال بن سبرہ کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ وہ وضوء طہارت کی حالت میں تھا۔

تیسری روایت ......☆ پروفیسر صاحب روایت سوم کا عنوان قائم کر کے ابوظبیان

کی سند سے حضرت علیؓ کے وضوء کی روایت کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں ''**ومسح على نعليه وقدميه ثم دخل المسجد فخلع نعليه ثم صلى**'' (ص ۴۴) حضرت علیؓ سے وضوء سے متعلق جو روایات منقول ہیں ان سب میں پاؤں دھونے کا ذکر ہے تو یہاں ''مسح علی نعلیہ وقدمیہ'' کا معنی بھی ان روایات کے پیش نظر دھونا ہی کریں گے اور عربی زبان میں غسل خفیف پر مسح کا اطلاق موجود ہے جیسا کہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں ''**ان المسح يطلق على الغسل الخفيف**'' (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۶) کہ غسل خفیف پر مسح کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

چوتھی روایت ......☆ پروفیسر صاحب نے روایت چہارم کا عنوان قائم کر کے عبد خیر کی سند سے حضرت علیؓ کے وضوء والی روایت جو مسند احمد کے حوالہ سے ہے اس میں ''**ومسح على ظهر قدميه**'' کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ اپنے پاؤں کے ظاہر پر مسح کیا (ص ۴۵) پروفیسر صاحب کی دیانت پر حیرانگی ہے کہ اس روایت میں بھی ''**هذا وضوء من لم يحدث**'' (مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۶) کے الفاظ نقل کرنا انھوں نے مناسب نہیں سمجھا۔ کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضوء ہے جو پہلے سے پاک ہو ــــ جب پروفیسر صاحب نے بنیادی نکتہ سے ہی آنکھیں بند کر لی ہیں تو روایت کے راویوں کی توثیق کا کیا فائدہ؟ اور پھر جس عبد خیر کی توثیق انھوں نے نقل کی ہے اسی عبد خیر سے حضرت علیؓ کے وضوء کے بارہ میں ''وغسل قدمیہ'' کے الفاظ موجود ہیں جن کے حوالے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

☆......ابن ماجہ کی روایت پر جرح......☆

پروفیسر صاحب نے ابن ماجہ کی ابوحیہ کی سند سے حضرت علیؓ کے وضوء والی روایت جس میں ''**غسل قدميه الى الكعبين**'' کے الفاظ ہیں اس پر جرح نقل کرتے ہوئے لکھا کہ ابوحیہ غیر معروف راوی ہے مگر ہماری پروفیسر صاحب سے درخواست ہے کہ وہ ابوحیہ والی روایت کو نہ لیں بلکہ اپنے پسندیدہ راوی عبد خیر کی سند سے ہی

روایت کو لے لیں جس میں پاؤں دھونے کا ذکر ہے اور ان روایات کو باحوالہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

☆...... پندرھواں مسئلہ۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا وضوء...... ☆

جناب پروفیسر غلام صابر صاحب نے ''اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم'' کا وضوء کا عنوان قائم کیا اور پھر ''حمران کی سند سے حضرت عثمان بن عفانؓ کی مسند احمد کے حوالہ سے روایت نقل کی جس میں ہے ''پھر سر اور پاؤں کے اوپر مسح کیا (ص ۵۰)

جناب پروفیسر صاحب نے جو روایت ذکر کی ہے اس کی سند میں قتادہؒ ہیں جو ''عن سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ مدلس ہیں جب وہ عن سے روایت کریں اور روایت بھی صحیحین کی نہ ہو تو ان کی روایت معتبر نہیں سمجھی جاتی جیسا کہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ''ان قتادة مدلس لا یحتج بعنعنته (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۶۱) بے شک قتادہ مدلس ہیں ان کی عن سے روایت قابل احتجاج نہیں اس کے برخلاف حمران ہی سے روایت ''حضرت عثمانؓ کے وضوء کی جو بخاری میں ہے اس میں ''ثم غسل رجلیه ثلث مرار الی الکعبین '' کے الفاظ ہیں (بخاری ج ۱ ص ۲۸) پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک تین بار دھوئے ۔۔۔۔ اور پھر حضرت عثمانؓ کی روایت میں پاؤں دھونے ہی کا ذکر ہے ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۱ ص ۶۱ ۔ ج ۱ ص ۶۶، ج ۱ ص ۶۸ اور کنز العمال ج ۹ ص ۲۵۱) جب حضرت عثمانؓ سے صحیح روایات میں پاؤں دھونے کا ذکر ہے تو کمزور روایت کو ان کے مقابلہ میں کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔۔۔۔ اور مسند احمد ج ۱ ص ۶۷ کا جو حوالہ پروفیسر صاحب نے دیا ہے اسمیں ''ورجلیه ثلاثا ثلاثا '' ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ پاؤں کو دھویا گیا ہے اس لئے کہ مسح تین تین مرتبہ نہیں کیا جاتا۔

☆...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ...... ☆

یہی عنوان قائم کر کے پروفیسر صاحب نے لکھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے

فرمایا کہ آیت میں ''پاؤں کا مسح کرنے'' کا حکم آیا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو اعضاء دھونے اور دو اعضاء کے مسح کرنے کو فرض قرار دیا ہے (ص ۵۲) ہم پہلے فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۳ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ ان کا رجوع ثابت ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابن عباسؓ '' ارجُلِکم '' کی قرأت کرنے کے باوجود پاؤں کو دھونے کے قائل تھے جیسا کہ وضوء سے متعلق ان کی روایات میں ہے۔

ایک روایت میں ہے ''اذا توضأت فخلّل اصابع یدیک ورجلیک '' (کنز العمال ج ۹ ص ۱۸۲) جب تو وضوء کرے تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کیا کر۔ اور خلال دھونے میں کیا جاتا ہے مسح میں نہیں۔ اور ایک اور روایت میں ہے ''واجعل الماء بین اصابع یدیک ورجلیک (کنز العمال ج ۹ ص ۱۸۴) اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان پانی ڈال۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے وضوء کیا تو آخر میں فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرتے دیکھا ہے اس روایت میں ہے کہ انھوں نے پاؤں دھوئے (بخاری ج ۱ ص ۲۶)

☆...... پروفیسر صاحب کی غلط فہمی...... ☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ شوکانی نے نووی کا قول درج کیا ہے کہ وضوء میں اختلاف ہے مگر حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے نزدیک وضوء میں پاؤں کا مسح واجب ہے (ص ۵۲) پروفیسر صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے یہ قول امام نوویؒ کا نہیں بلکہ علامہ ابن حجرؒ کا شوکانی نے نقل کیا ہے جس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں'' وقد ثبت عنهم الرجوع عن ذالک (نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۵۔ اور ان حضرات سے مسح والے نظریہ سے رجوع ثابت ہے۔

☆...... سولھواں مسئلہ۔ توثیق صحابہؓ...... ☆

پروفیسر صاحب نے حضرت ابن عباسؓ، حضرت تمیم بن زیدؓ۔ حضرت عباد

بن تمیم اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی توثیق نقل کی ہے ہم پروفیسر صاحب کی معلومات کے لئے عرض کرتے ہیں کہ اہل سنت ''الصحابة كلهم عدول '' کا نظریہ رکھتے ہیں کہ صحابہ سارے کے سارے عادل ہیں۔ اور اہل سنت تو صحابہؓ کے دین اخلاق یا جسم کسی بھی لحاظ سے طعن کرنے والے کو لعنتی سمجھتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''من سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين (مستدرک ج ۳ ص ۶۳۲) جو ان صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع کرے اس پر اللہ تعالی و فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہو۔ اور اہل سنت کے نزدیک حضور ﷺ کے ساتھ کے لیے صحابہ کرامؓ کا انتخاب من جانب اللہ ہے اس لئے حضرات محدثین کرامؓ جرح وتعدیل کے قانون سے حضرات صحابہ کرامؓ کو بالا سمجھتے ہیں۔

☆......حضرت انس بن مالکؓ......☆

پروفیسر صاحب نے پاؤں پر مسح کا نظریہ رکھنے والوں میں حضرت انسؓ کا ذکر بھی کیا ہے مگر ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں '' کہ حضرت انسؓ کے ہاں پاؤں کے مسح کا وہ مفہوم نہیں جو سر کے مسح کا ہے'' اور حضرت انسؓ سے پاؤں دھونے کی روایات بھی ہیں ایک روایت میں ہے فاذا غسلت رجليك انتثرت الذنوب من اظفار قدميك (کنز العمال ج ۹ ص ۱۷۶) کہ جب تو پاؤں دھوئے گا تو تیرے پاؤں کے ناخنوں سے گناہ جھڑ جائیں گے۔ پھر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ کا فتوی ہے نزل القران بالمسح (ص ۶۱) قرآن تو پاؤں کے مسح کا حکم لیکر نازل ہوا۔

پروفیسر صاحب پر افسوس ہے کہ ان کو بات تو مکمل نقل کرنی چاہیے تھی (''حضرت انسؓ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ نزل القرآن بالمسح بلکہ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے والسنة بالغسل '' (درمنثور ص ۲۶۲ ج ۲ ۔ تفسیر طبری ج ۶، ص ۱۲۸) اور سنت پاؤں دھونے کی ہے یعنی قرآن کریم کے الفاظ میں تو پاؤں کا مسح ہے مگر سنت میں اسکی تفسیر دھونے کے ساتھ ملتی ہے)

☆......تمیم بن زید......☆

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ شوکانی نے طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''عباد بن تمیم انصاری اپنے والد تمیم بن زید انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء میں پاؤں کا مسح کرتے ہوئے دیکھا (ص ۵۵)

ہماری پروفیسر صاحب سے گذارش ہے کہ قاضی شوکانیؒ نے صرف یہ روایت ہی نقل نہیں بلکہ اس روایت کا ضعیف ہونا ابوعمر سے نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۶)

پروفیسر صاحب نے ایک اور روایت کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی مگر اس پر خود ہی جرح کردی کہ ہمارے نزدیک اسمیں لفظ لحیہ یعنی ڈاڑھی کا اضافہ ہے۔ (ص ۵۵)

پھر پروفیسر صاحب نے مسند احمد سے ایک روایت نقل کی کہ ''عباد بن تمیم المازنی'' کی روایت میں ہے کہ میرے والد تمیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو وضوء کرتے دیکھا تو آپ ''یمسح الماء علی رجلیه '' پانی سے اپنے پاؤں کا مسح کر رہے تھے (ص ۵۶) اس روایت میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ وضوء طہارت کی حالت میں ہو اور طہارت کی حالت میں کئے جانے والے وضوء میں چہرہ اور پاؤں کے مسح میں کسی کو اختلاف نہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ گزر چکا ہے اور یہ اس روایت میں یہ احتمال بھی ہے کہ مسح کا معنی بہانا ہو اسی لئے تو فرمایا یمسح الماء پانی کا مسح کر رہے تھے۔ اور اگر مسح مراد ہوتا تو پھر یوں ہوتا ''یمسح بیدہ علی رجلیه'' جب اس میں احتمالات ہیں تو پروفیسر صاحب اس کو اپنے حق میں دلیل نہیں بنا سکتے۔

☆......حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ......☆

پروفیسر صاحب نے ان کی روایت ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تو تین مرتبہ منہ دھوتے اور آگے ہے کہ پھر دو مرتبہ اپنے سر کا اور پاؤں کا مسح فرمایا کرتے تھے (ص ۵۷)

حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی واضح اور صریح روایت بخاری شریف میں موجود ہے جس میں ہے "**ثم غسل رجلیه الی الکعبین** (بخاری ج۱ص۳۱۔ کنز العمال ج۹ص ۲۶۹) پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ لہذا اس صحیح روایت کے خلاف جو روایت پائی جاتی ہے اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا اس کو مرجوح قرار دیا جائیگا اور یہ صحیح روایت راجح اور قابل عمل ہوگی۔

☆......حضرت اوس بن ابی اوسؓ......☆

پروفیسر صاحب نے ان کی روایت کنز العمال اور تفسیر طبری کے حوالہ سے نقل کی ہے جس میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ طائف میں وضو کیا "**ومسح علی قدمیه**" اور آپ نے اپنے پاؤں پر مسح کیا (ص ۵۷) اس کے جواب میں امام طبری نے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ وضوء طہارت کی حالت میں ہو (تفسیر طبری ج۶ص۱۳۴) پھر اس روایت کی سند "ھشیم عن یعلی بن عطاء عن ابیہ" ہے قاضی شوکانی ابن القطان سے نقل کرتے ہیں کہ عطاء مجہول ہے نیز قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ ھشیم کے بارہ میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اس نے یہ روایت یعلی سے نہیں سنی جبکہ ھشیم مدلس بھی ہے اور امام ابن عبداللہ نے فرمایا کہ اوس بن ابی اوس سے مسح علی القدمین کی جو احادیث ہیں ان کی اسناد کمزور ہیں (نیل الاوطار ج۱ص۱۸۶)

☆......حضرت رفاعہ بن رافعؓ......☆

پروفیسر صاحب نے ان کی روایت تفسیر قرطبی، مستدرک اور کنز العمال وغیرہ سے نقل کی ہے کہ ایک آدمی کو حضورؐ نے وضوء کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ میں سے کسی کی نماز درست اور کامل نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ حکم خدا کے مطابق وضوء نہ کرے پس وضوء میں اپنے چہرے اور دونوں بازوں کو دھوئے اور اپنے سر کے بعض حصے اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے (ص ۵۹)

اس روایت کے بارہ میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ثابت

بھی ہو جائے تو ان صحیح روایات کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہیں ہوسکتا جو وضوء میں پاؤں دھونے سے متعلق پہلے بیان ہوچکی ہیں اس لئے اس روایت کے الفاظ کی مناسب تاویل کی جائیگی (نیل الاوطار ج۱ص۱۸۶) اور پھر حضرت رفاعہ بن رافع سے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں "**ویمسح برأسه ویغسل براسه ویغسل رجلیه** (احکام القرآن للجصاص ج۲ص۳۳۶) اور اپنے سر کا مسح کرے اور اپنے پاؤں دھوئے)

☆......خلاصۂ بحث......☆

الغرض پروفیسر صاحب نے جتنی روایات بھی پاؤں پر مسح کی نقل کر کے اہل سنت کے طریقہ وضوء پر اعتراض کیا ہے ان میں کوئی روایت بھی ایسی نہیں جو صحیح روایات کے مقابلہ میں پیش کی جا سکے۔

☆......سترھواں مسئلہ۔ تابعین کا وضوء......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب نے تابعین کا وضوء کا عنوان قائم کیا پھر حضرت عکرمہ کا عنوان قائم کر کے لکھا کہ ایک ساتھی نے بتایا کہ میں نے عکرمہ کو وضوء میں پاؤں دھوتے نہیں دیکھا بلکہ وہ پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے (ص ۶۴)

پروفیسر صاحب کو دلیل پیش کرتے وقت پہلے عکرمہ کے ساتھی کا تعین تو کرنا چاہیے تھا کہ وہ کون تھا۔ جب اس کا کوئی اتہ پتہ ہی نہیں تو عقل کی دنیا میں ایسی روایت کون قبول کرسکتا ہے؟ پھر صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت عکرمہ نے حضرت عباسؓ سے روایت کی کہ انھوں نے "ارجلکم لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا اور فرمایا **عاد الامر الی الغسل** (تفسیر طبری ج۶ص۱۲۷) یعنی پہلے دھوئے جانے والے اعضاء کا ذکر تھا پھر درمیان میں سر کا مسح آگیا اور پھر دھوئے جانے کا معاملہ آگیا۔ جب یہ واضح روایت ان سے موجود ہے تو باقی روایات کو اس کے تابع ہی رکھا جائیگا اور اس کے مطابق ان کی مناسب توجیہ کی جائیگی۔

☆......شعبیؒ......☆

پروفیسر صاحب نے شعبی کا عنوان قائم کیا اور پھر لکھا کہ جنہوں نے ارجلکم
لام ں زیر سے پڑھا ہے ان میں شعبی کا نام موجود ہے اور یہ سب حضرات پاؤں
مسح کے قائل تھے (ص ٦٦) پروفیسر صاحب کو امام شعبی کا یہ فرمان بھی ملحوظ رکھنا
ہئے تھا جو انہوں نے فرمایا ''نزل القرآن بالمسح وجرت السنة بالغسل
رمنثور ج ٢ س ١٢ ـ کنز العمال ج ٩ ص ٢٥٧) کہ قرآن کریم کا نزول مسح کے
نھ ہے اور سنت دھونے کی جاری ہے یعنی قرآن کریم میں قرأت کے لحاظ سے اسکو
سحوا کے تحت رکھیں گے مگر عمل کے لحاظ سے پاؤں دھونے پر عمل ہوگا اس لئے
اس کی تفسیر عملی طور پر حضور علیہ السلام سے پاؤں دھونے کے ساتھ ہی منقول ہے۔
ارہا پروفیسر صاحب کا امام شعبیؒ کا یہ فرمان کہ انھوں نے فرمایا کہ جبرئیل مسح قدمین
لم لے کر نازل ہوئے (ص ٦٧) تو جب امام شعبیؒ نے ارجلکم کی قراءت کو ترجیح
ہے تو ایسا کہنے کا ان کو حق ہے اور جب دونوں قرائتیں درست ہیں اور خود پروفیسر
حب نے بھی اس کا اقرار کیا ہے تو قرآن کریم کا اس بارہ میں نزول دونوں قراءتوں
ساتھ ہی ماننا پڑے گا۔

☆......قتادہؒ......☆

پروفیسر صاحب نے قتادہ کے بارہ میں لکھا کہ قتادہ نے وضوء کی آیت کی
بر میں فرمایا ''افترض الله غسلتين ومسحتين'' کہ اللہ تعالیٰ نے دو اعضاء کا
ل اور دو اعضاء کا مسح فرض کیا ہے (ص ٦٨) حضرت قتادہ کا یہ فرمان بھی قراءت
بارہ میں ہے کہ قراءت میں دو اعضاء کا دھونا اور دو کا مسح فرض قرار دیا ہے اس لئے
ل کے بارہ میں انکی روایت اسطرح موجود ہے ''عن قتادة ان ابن مسعود
رجع قوله الى غسل القدمين فى قوله وارجلكم الى الكعبين (تفسیر
ثور ج ٢ ص ٢٦٢) حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ بے شک حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا

کہ ''وارجلكم الى الكعبين'' میں حکم پھر دھونے کی طرف لوٹ گیا یعنی درمیان
میں سر کے مسح کا ذکر ہوا اور پھر پاؤں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆......علقمہؒ......☆

پروفیسر صاحب بعض دیگر حضرات کے ساتھ علقمہ کا نام ذکر کر کے لکھتے ہیں
کہ یہ حضرات بھی وضوء میں بحکم قرآن مسح قدمین کے قائل تھے (ص ٦٩) قراءت
کے لحاظ سے ضرور قائل تھے مگر عمل کے لحاظ سے نہیں اس لئے کہ طہارت کے لئے کیے
گئے وضوء میں ان میں سے کسی سے بھی صحیح روایت کے ساتھ پاؤں پر مسح کرنا ثابت
نہیں ہے ''هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين''
اس کے بعد پروفیسر صاحب نے مجاہدؒ، اعمشؒ اور ضحاک کا عنوان قائم کر کے لکھا
کہ یہ حضرات بھی ارجلکم میں لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے (ص ٧٠ تا ٧٢) قرأت
کے لحاظ سے پڑھتے تھے مگر پاؤں پر سر کے مسح کی طرح کوئی بھی قائل نہ تھا۔

☆......جبرئیل اور وضوء......☆

پروفیسر صاحب یہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ خصائص کبریٰ میں ہے کہ
جبرئیل امین نے ایک چشمہ سے وضوء کیا پہلے اپنے چہرے اور بازوؤں کو دھویا اور پھر
سر اور پاؤں کا مسح ٹخنوں تک کیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح وضو
کیا (ص ٧٣)
اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو اس کو اس حالت پر محمول کیا جائیگا کہ پہلے سے طاہر
تھے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر طہارت کے لئے جو وضوء کیا اس
میں پاؤں کو دھویا ہے اور حضرت زید بن حارثہؓ کی روایت میں ہے'' ان جبرائيل
اتاه فى اول ما اوحى اليه فاراه الوضوء والصلوة'' (دار قطنی ج ١ ص ١٤١)
کہ ابتداء میں جب حضرت جبرائیل وحی لیکر آئے تو انھوں نے آپ ﷺ کو وضوء
کر کے اور نماز پڑھ کر دکھایا اور حضور علیہ السلام کا عمر بھر پاؤں دھونے کے ساتھ وضوء

رنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پاؤں دھو کر ہی وضوء کیا
او۔ نہ آپ اس کے خلاف نہ کرتے۔

☆......ابو مالک اشعریؓ......☆

پروفیسر صاحب نے یہ عنوان قائم کر کے اس کے تحت لکھا کہ ابو مالک نے
ی کا ایک لگن منگوایا تا کہ وضوء کریں پہلے آپ نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا پھر تین
رتبہ چہرے اور بازوؤں کو دھویا اور سر اور پاؤں کے اوپر کے حصے کا مسح کیا (ص ۷۳)
ں روایت کو پروفیسر صاحب پاؤں کے مسح کی دلیل بنانا چاہتے ہیں مگر حضرت ابو
لک کے وضوء کر کے دکھانے کا انداز بتاتا ہے کہ انھوں نے حاکم وقت کی شدت کے
اب میں ایسا وضوء کیا، ہوسکتا ہے کہ حاکم وقت کسی صورت بھی پاؤں پر مسح کو پسند نہ
رتا ہو حالانکہ اگر وضوء طہارت کی حالت میں کیا جائے تو چہرے ہاتھوں اور پاؤں
ے مسح پر اکتفا سب کے نزدیک درست ہے تو حاکم وقت نے شدت کی تو اس شدت
ے جواب میں انھوں نے ایسا وضوء کیا اور طہارت کی حالت میں کیا ہوتا کہ واضح کر دیں
ہ اس حالت میں پاؤں پر مسح بھی کیا جاسکتا ہے حاکم وقت خواہ مخواہ شدت کرتا ہے۔
ر پروفیسر صاحب کو غور کرنا چاہئے کہ اس روایت میں ہے کہ انھوں نے تین مرتبہ
رے اور بازوؤں کو دھویا جبکہ پروفیسر صاحب اور ان کے طبقہ کے ہاں تو تیسری
رتبہ دھونا حرام ہے۔ جب حضرت ابو مالک نے بزعم شیعہ حرام کا ارتکاب کیا تو اس
ے عمل کو کیسے وہ دلیل بنا سکتے ہیں؟

☆......اٹھارواں مسئلہ۔ تیمّم کی وجہ سے اہل سنت پر اعتراض......☆

پروفیسر صاحب نے لکھا جس خلاصہ یہ ہے کہ پاؤں کا وضو میں دھونا ضروری
یں بلکہ ان کا مسح ہے اس لئے کہ تیمم میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان پر مسح ہے او
ن کو نہیں دھویا جاتا ان پر مسح نہیں۔ جب پاؤں پر تیمم میں مسح نہیں تو معلوم ہوا کہ
وء میں ان کا دھونا نہیں بلکہ ان کا مسح ہے۔ الخ

جواب......☆ یہ اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھتا اس لئے کہ وضوء کے قائم مقام جو تیمّم کیا جاتا ہے وہی تیمّم غسل جنابت کے قائم مقام بھی کیا جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے کہ غسل جنابت میں صرف ہاتھ اور منہ کا دھونا ضروری ہے اس لئے کہ تیمّم میں صرف ان کا مسح ہے اور باقی جسم کا دھونا ضروری نہیں اس لئے کہ تیمّم میں ان کا مسح نہیں اور ایسا نظریہ تو کسی کا نہیں اس لیے تیمّم میں اعضاء کے ساقط کرنے کو وضوء میں مسح کرنے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کو تو یہ اعتراض کرنا ہی نہیں چاہیے اور نہ ہی تیمّم میں ساقط اعضاء کو وضوء میں مسح کرنے کی دلیل بنانا چاہیے اس لئے کہ ان کے نزدیک تو تیمّم میں چہرے کے صرف پیشانی اور آنکھوں تک کے حصہ پر مسح ہے باقی حصہ پر نہیں جیسا کہ ان کی کتابوں میں ہے چنانچہ حافظ بشیر حسین نجفی لکھتے ہیں اس مقام سے جہاں سر کے بال اگتے ہیں بھنوؤں اور ناک کے اوپر تک ساری پیشانی اور اس کے دونوں طرف ہتھیلیوں کا پھیرنا اور احتیاطاً چاہیے کہ ہاتھ بھنوؤں پر بھی پھیرے جائیں (توضیح المسائل ص ۱۸۵) اور خمینی صاحب نے بھی یہی طریقہ لکھا (توضیح المسائل مترجم ص ۱۱۳) (اور ایک روایت میں ہے ”**لان عندنا ان المسح یجب فی التیمم ببعض الوجه وهو الجبهة والحاجبان**۔ تھذیب الاحکام ص ۶۱) کہ تیمّم میں ہمارے نزدیک صرف پیشانی اور ابروؤں کا مسح ہے اور یہی طریقہ شیعہ حضرات کی دیگر کتب میں ہے۔ اگر یہ نظریہ ہے کہ جن اعضاء پر تیمّم میں مسح نہیں تو وضوء میں ان کا دھونا ضروری نہیں تو شیعہ حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ غسل جنابت میں چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ باقی جسم کو دھونا ضروری نہ قرار دیں اسی طرح وہ وضوء میں چہرہ دھوتے وقت آنکھوں سے نیچے والے حصہ کو دھونا ضروری نہ سمجھیں اس لئے کہ یہ حصہ تو ان کے نزدیک تیمّم میں ساقط ہوجاتا ہے۔

☆......انیسواں مسئلہ۔ وضوء میں ترتیب......☆

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ اگر وضوء کے اعمال کی مندرجہ بالا ترتیب نہ رہے تو وضوء باطل ہوجاتا ہے (ص ١٩) اس کے برخلاف جمہور اہل سنت کے نزدیک وضوء کے فرائض میں ترتیب کا لحاظ رکھنا سنت یا مستحب ہے۔ اگر ترتیب کا لحاظ نہ رکھا تو ثواب میں تو کمی ہوگی مگر وضوء باطل نہیں ہوتا۔ اسی کے مطابق ایک روایت ہے ''**وقد كان الامام على بن ابى طالب يقول لاابالى باى اعضاء الوضوء بدأت**'' (میزان الکبری ج ا ص ١٢٨) کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ وضوء کے جس عضو سے شروع کروں۔

☆......بیسواں مسئلہ۔ موالات......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: موالات یعنی وضوء کے اعمال کو اس طرح پے در پے کیا جائے کہ ان میں فاصلہ نہ رہے۔ اگر وضوء کے کاموں میں اس قدر فاصلہ ہوجائے کہ جس وقت کسی مقام کو دھویا جائے یا مسح کیا جائے کہ دھونے یا مسح کرنے کے بعد ان مقامات کی تری خشک ہوجائے تو وضوء باطل ہے (ص ١٩) اس کے برخلاف جمہور اہل سنت کے نزدیک وضوء میں موالات سنت ہے اس پر عمل سے ثواب ہوگا مگر اس کے ترک سے وضوء باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ درمیان میں وضوء کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہوجائے۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ کتب میں بھی یہی نظریہ ملتا ہے کہ وضوء باطل نہیں ہوتا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حریز سے وضوء کے بارہ میں پوچھا ''**فان جف الاول قبل ان اغسل الذى يليه**'' پس اگر آگے والے عضو سے پہلا عضو خشک ہوجائے تو کیا کریں تو کہا **جف اولم يجف اغسل مابقى** (تھذیب الاحکام ج ا ص ٨٨ الاستبصار ج ا ص ٧٢) کہ خواہ خشک ہو یا نہ ہو باقی اعضاء کو دھولے۔

اس لئے پروفیسر صاحب کا اس حالت میں وضو کو باطل قرار دینا بالکل غلط ہے۔

☆......آخر میں گذارش......☆

بفضلہ تعالیٰ ہم نے علماء اہلسنت ک جانب سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے اپنی ہمت کے مطابق وضوء کے مسنون طریقہ پر کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالی نے اپنی بارگاہ میں اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور غلط فہمی کا شکار لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

آمين يا اله العالمين

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين.

☆......حافظ عبدالقدوس قارن......☆

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

٢٢ رجب المرجب ١٤٢٥ھ بمطابق ٨ ستمبر ٢٠٠٤ء

وھوالمستعان

خلافت راشدہ .... حق چار یارؓ

قرآنی وضو

آیت وضو کی تفسیر اور جملہ اعتراضات کے جوابات

﴿ازقلم﴾

محقق دوران، امام العصر، امام پاکستان

حضرت مولانا **سیّد احمد شاہ بخاریؒ اجنالوی چوکیروی**

﴿ناشر﴾

سید محمد قاسم شاہ بخاری

مہتمم امام پاکستان اکیڈمی

جامع مسجد ثانی اثنینؓ بشیر کالونی سرگودھا

فون: 048-3216404

موبائل: 0321-7809120

خلافت راشدہ　　یا اللہ مدد　　حق چار یارؓ

وھو المستعان

قرآنی وضو

الفاروق کا وضو نمبر

آیت وضو کی تفسیر اور جملہ اعتراضات کے منہ توڑ جوابات

از قلم

محقق دوارن، امام العصر، امام پاکستان حضرت مولانا

سید احمد شاہ بخاریؒ اجنالوی چوکیروی

ناشر

سید محمد قاسم شاہ بخاری

مہتمم امام پاکستان اکیڈمی

جامع مسجد ثانی اثنینؓ بشیر کالونی سرگودھا

فون: 048-3216404

امام پاکستانؒ کی تصنیفات

۱۔تحقیق فدک (طبع چہارم مجلد کتابت عمدہ کاغذ سفید) 100روپے

۲۔ثانی اثنین ابوبکر صدیقؓ (کمپوزنگ نہایت عمدہ) 50روپے

۳۔تلاش حق (شیعہ کے سوالات کے جوابات) 30روپے

۴۔قرآنی وضو (آیت وضو کی تفسیر اور شیعہ کے
اعتراضات کا منہ توڑ جواب 30روپے

****

ملنے کے پتے:

۱۔تحریک خدام اہلسنت مدنی مسجد چکوال

۲۔مولانا قاری خبیب احمد عمر مہتمم جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

۳۔دارالمبلغین جامع مسجد ثانی اثنینؓ بشیر کالونی سرگودھا

رابطہ کے لیے:

صاحبزادہ پیر سید خالد فاروق شاہ بخاری حسینی

دارالمبلغین جامع مسجد ثانی اثنین بشیر کالونی سرگودھا

عرض ناشر

استاذ المناظرین ضیغم اسلام محقق دوران امام العصر امام پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے چوکیرہ سے ایک ماہنامہ ''الفاروق'' جاری کیا تھا جو عرصہ چار سال تک متواتر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر کیے گئے جملہ اعتراضات کا شافی مدلل مسکت جواب دے کر حق تحقیق ادا کرتا رہا یہ پرچہ مولوی اسماعیل شیعہ کے اخبار صداقت گوجرہ کا منہ توڑ جواب تھا۔

۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک ماہنامہ الفاروق میں نہایت قیمتی مضامین قسط وار شائع ہوتے رہے جنہیں یکجا کر کے ہم مستقل کتاب کی شکل میں شائع کر رہے ہیں اسی مقصد کے حصول کے لیے احقر نے امام پاکستان اکیڈمی اور دارالمبلغین قائم کر دیا ہے۔ سالانہ دارالمبلغین کورس ہمیشہ شعبان المعظم میں ہوتا ہے۔

اس اکیڈمی کی طرف سے پہلی کتاب لاجواب ''تحقیق فدک''، طبع چہارم شائع ہو کر ملک کے کونے کونے تک پہنچ چکی ہے اب دوسری کتاب ''ثانی اثنین'' خلافت بلافصل صدیق اکبرؓ پر شائع ہو کر آپ کے ملک میں بلکہ بیرون ملک تک پہنچ چکی ہے۔ اور تیسری کتاب ''تلاش حق'' شیعہ کے

سوالوں کے جوابات سے مزین یہ کتاب بھی اندرون بیرون ملک پہنچ کر داد تحسین حاصل کر چکی ہے۔

اب چوتھی کڑی ''قرآنی وضو'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ وضو کے بارے میں جتنے سوالات تھے، حضرت امام پاکستانؒ نے جڑ سے اکھیڑ دیئے ہیں اور حق تحقیق ادا کر دیا ہے اس کا نام ''قرآنی وضو'' رکھ دیا گیا ہے۔ اللہ کریم امام پاکستانؒ کے مشن کو قیامت تک جاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

اس کتابچہ میں احقر نے مزید حوالے درج کر دیئے ہیں اور نئی شیعہ کتب کے صفحات طبع جدید سے لگا دیئے ہیں۔

خادم خدام اہلسنت

سید محمد قاسم شاہ بخاری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وضو کے فائدے اور فضیلتیں

ہمدردان ''الفاروق'' کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے یا کہ ان کا مسح کرنا فرض ہے؟ شیعہ مبلغین پاؤں کے مسح کی فرضیت قرآن سے ثابت کرتے ہیں، یہ چیز صحیح ہے یا غلط ہے، اگر غلط ہے تو اس کی وجوہ بیان کی جائیں، اگر صحیح ہے تو اہل سنت والجماعت وضو کرتے وقت پاؤں کے مسح سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ مندرجہ بالا مطالبہ کی بنا پر وضو کے وہ تمام مسائل بیان کیے جاتے ہیں جن میں شیعہ اور سنّی حضرات اختلاف رکھتے ہیں تا کہ قارئین الفاروق اس باب میں پورا پورا فائدہ حاصل کریں۔

(احمد شاہ بخاری)

وضو کے فائدے دنیوی بھی ہیں اور اُخروی بھی ہیں۔ دنیاوی فائدے تو وہ ہیں جو اصلاح بدن سے تعلق رکھتے ہیں، مکمل وضو کرنے کی عادت ہو جائے تو بہت سی جسمانی بیماریوں سے خداوند تبارک وتعالیٰ آدمی کو محفوظ رکھتے ہیں اور آدمی کے قلب کی صفائی میں وضو کو خاص دخل ہے جو لوگ ہر وقت باوضو رہنے پر قادر ہو جاتے ہیں وہ کمال صفائے قلب سے ہمکنار اور

بے شمار انوار سے سرشار ہوتے ہیں ۔

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

اور اُخروی فائدے جناب رسول خدا ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں :

﴿۱﴾ کشف الغمہ علامہ شعرانی صفحہ ۶۷ پر ہے :(طبع جدید بیروت صفحہ ۵۳)

"وکان ﷺ یقول اذا توضا العبد المسلم او المومن من فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينه مع الماء او مع آخر قطر الماء فاذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة كان بطشتها يداه مع الماء او مع الماء فاذا غسل رجليه خرج كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء او مع آخر قطر الماء حتى يخرج نقيا من الذنوب حتى تخرج خطاياه من تحت اظفاره واشفار عينيه ثم يكون مشيه الى المسجد وصلوته نافلة.

آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت ایماندار بندہ وضو کا ارادہ کرتا ہے پس اپنا چہرہ دھو دیتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو آنکھوں کے ذریعہ

کئے تھے، پھر جب وہ دونوں بازو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اپنے دونوں ہاتھوں سے کئے تھے ۔ پھر جس وقت وہ پاؤں کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ہی اس کے دونوں پاؤں سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے پاؤں کے ذریعے کئے تھے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو گناہوں سے صاف ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے اور آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے تمام گناہ نکل جاتے ہیں ۔ اس کے بعد اس مومن کا مسجد کی طرف چل کے جانا اور وہاں جا کر نماز پڑھنا ترقی درجات کا موجب ہوتا ہے۔"

نوٹ: برادران اسلام سوچنے کا مقام ہے کہ خدا کی راہ میں قدم رکھتے ہی کیا کیا مہربانیاں ہیں جو پیش آتی ہیں اور کیا کیا سرفرازیاں ہیں جو ہمارے ایسے نالائق بندوں کی نصیبوں میں لکھی جاتی ہیں ۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۔

رحمت حق نے دکھائے وہ کرشمے روز حشر
بے گناہ بھی چیخ اُٹھا میں بھی گناہگاروں میں ہوں

﴿۲﴾ کشف الغمہ علامہ شعرانی جلد اول صفحہ ۷۶: (طبع جدید صفحہ ۵۳ بیروت)

"وکان ﷺ یقول مامن مسلم یتوضاء فیسبغ الوضوثم یقوم فی صلوتہ فیعلم ما یقول الانفتل وھو کیوم ولدتہ امہٗ

اور آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے جو مسلمان بھی وضو کرے اور مکمل وضو کرے، پھر نماز میں کھڑا ہو اور جو کچھ کہتا ہے اسے سمجھتا ہو، تو نماز سے فارغ ہونے پر اس کی وہی حالت ہو جاوے گی، جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت ہوتی ہے۔"

نوٹ : اس حدیث میں غور کرو، ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت آدمی گناہوں سے پوری طرح پاک ہوتا ہے، اس کے ذمے کبیرہ ہوتا ہے، نہ صغیرہ، گناہوں سے پاکیزگی اس سے بڑھ کر ممکن ہی نہیں۔ تو جن چیزوں کو اس نعمت سے حصول میں دخل ہے کامل مکمل وضو بھی آنحضور ﷺ نے ان میں گنوایا ہے۔ حدیث مذکور میں اس نعمت عظمیٰ کی مدار دو چیزوں پر ہے ایک وضو کامل اور دوسرا اذکار نماز کے معانی کا جاننا یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں گی تو مذکورہ بالا عظیم تاثیر ظاہر ہوگی۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ وضو بڑی عالیشان اور بے حد فائدہ مند چیز ہے۔

﴿۳﴾ کشف الغمہ شعرانی جلد اول صفحہ ۷۷ (طبع جدید صفحہ ۵۳ بیروت)

"وکان ﷺ یقول من توضّا ء علٰی طھر کتب اللّٰہ لہٗ عشر حسناتٍ.

اور آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے، جو شخص وضو پر وضو کر ے خدا تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتے ہیں۔"

نوٹ : خدا تعالیٰ کے لکھنے کے معنے علماء متقدمین نے لکھوانے کے لیے ہیں مطلب یہ ہے کہ جن روایات میں خدا تعالیٰ کے لکھنے کے الفاظ آتے ہیں، اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتے ہیں۔

﴿۴﴾ مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول صفحہ ۶

"عن النبی ﷺ قال ان العبد اذا توضّاء فغسل یدیہ خرت خطایاہ من یدیہ واذا غسل وجھہ خرت خطایاہ من وجھہ واذا غسل ذراعیہ ومسح براسہ خرت خطایاہ من ذراعیہ وراسہ وغسل رجلیہ خرت خطایاہ من رجلیہ.

آنحضور ﷺ سے روایت ہے فرمایا، بندہ جس وقت وضو کا ارادہ کرتا ہے، پس دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے گناہ دونوں ہاتھوں سے [illegible] اور [illegible] وقت پھر

دھوتا ہے تو چہرے سے اس کے گناہ گر جاتے ہیں اور جس وقت دونوں بازوؤں کو دھوتا ہے، اور سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے گناہ بازوؤں اور سر سے گر جاتے ہیں اور جس وقت دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو اس کے گناہ پاؤں سے گر جاتے ہیں۔

نوٹ : مصنف ابن ابی شیبہ کی اس حدیث میں چہرے سے پہلے جو ہاتھ دھونے مسنون ہیں ان کا ذکر ہے، یہ چیز حدیث نمبر اول منقول از کشف الغم علامہ عبدالوھاب شعرانی میں نہیں ہے، اس لیے باقی مضمون کی وحدت کی پرو نہیں کی گئی اور اس حدیث شریف کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

کیفیت وُضو

نماز پڑھنے کا ارادہ ہو، تو بے وضو کے لیے وضو کر لینا ضروری ہے کوئی نماز ایسی نہیں ہے جو بغیر وضو کے جائز ہو سکے، اس مسئلہ میں علمائے شیعہ اور علمائے اہلسنت میں اختلاف ہے شیعہ کے یہاں نماز جنازہ ایک ایسی نماز ہے جس میں طہارت ضروری نہیں ہے۔ دیکھو شیعہ کی مشہور و معروف کتاب جامع المسائل مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۲۹

”مسئلہ نماز میت میں ظاہری و باطنی طہارت کی شرط نہیں ہے۔“ جامع المسائل کی عبارت ختم۔

باطنی طہارت تو وضو یا غسل یا تیمم سے ہوتی ہے اور ظاہری طہارت

کپڑے یا بدن سے خون یا بول براز دور کر دینے سے ہوتی ہے، آقائے بروجردی جو آج کل شیعی دنیا کے مجتہد اعلم ہیں اور یہ کتاب جامع المسائل آپ کے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے، فرماتے ہیں کہ بدن پاک ہو یا پلید، اسی طرح کپڑے پاک ہوں یا پلید ہوں، پلیدی خفیف قسم کی ہو یا بھاری قسم کی ہو، نماز جنازہ اس کے ساتھ میں پڑھی جا سکتی ہے۔[۱] مگر علمائے اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ جس چیز پر صلوٰۃ (نماز) کی لفظ بولی جاتی ہے اس کے لیے طہارت ظاہری اور طہارت باطنی دونوں ہی شرط ہیں، اس سے کسی نماز کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ قرآن حکیم کی سورہ مائدہ کی آیت میں وضو کو نماز کی شرط قرار دے چکا ہے اس کے بعد خود قرآن میں استثناء نہیں ہے اور نہ ہی آنحضور ﷺ کی احادیث شریفہ میں کہیں نماز جنازہ کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے تو شیعہ مجتہدین کی یہ سینہ زوری نہ کہیے تو کیا کہیے اور اس موقع پر جو روایات زراہ وابو بصیر وغیرہما

---

[۱] (۱) برائے شش چیز وضو گرفتن واجب است اول برائے نماز ہائے واجب غیر از نماز میت ”معتبر کتاب شیعہ توضیح المسائل طبع قدیم ص ۵۸“

(۲) نماز میت میں طہارت شرط نہیں جب، حائض، بے وضو سب پڑھ سکتے ہیں، تحفۃ العوام ص ۲۲۳، اصل قدیم، شیعہ کی مستند کتاب

(۳) مسئلہ: ۵۹۶ جو شخص نماز میت پڑھنا چاہتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس نے وضو، غسل یا تیمم کیا ہوا ہو اور اس کا بدن اور لباس بھی پاک ہو اور اگر اس کا لباس غصبی بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (امام خمینی کی کتاب توضیح المسائل جدید ص ۹۴ طبع لاہور)

نوٹ: امام خمینی نے تو تمام حدود شرعی توڑ کر رکھ دی ہیں کیا اب بھی کوئی اشکال باقی رہ گیا ہے فافہم

(سید قاسم شاہ بخاری)

سے لائے ہیں، ان کو انہیں راویان احادیث شیعہ کی من گھڑت نہ کہیے تو کیا کہیے صاف ظاہر ہے کہ نماز جنازہ حسب اطلاق وعموم قرآن بغیر وضو کے جائز نہیں ہے اور شیعہ کی نہایت معتبر اور غایت معتمد علیہ کتاب نامی اصول کافی کے دوسرے صفحہ پر حضرت امام مہدی کا فرمان درج ہے۔

" اعرضو اعلیٰ کتاب اللہ فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فردوہٗ.

روایات ائمہ کو کتاب اللہ کے سامنے رکھو پس اس کے موافق ہوں لے لو اور جو اس کے مخالف ہوں ردّ کردو۔"

(کتاب اصول کافی طبع جدید جلد ۱، صفحہ ۱۰ مقدمہ)

نتیجہ ظاہر ہے کہ کتب شیعہ میں جو روایات ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ بغیر وضو کے جائز ہے اس کے لیے طہارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ روایات چونکہ صراحت قرآن کے برخلاف ہیں، اس لیے ان روایات کو رد کر دینا چاہئے اور رجال شیعہ کا اپنا خاص مال تصور کرنا چاہیے، ائمہ کرام کی جانب ان کی نسبت ہرگز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ان ہی بارہ ائمہ کرام میں سے ایک صاحب الامر والزمان ہیں جو مذکورہ بالا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں،

لطیفہ

آج کل شیعہ علماء تقیہ کی چادر کو اتار پھینک چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کی وصیتوں کو پس پشت ڈال چکے ہیں اور سر میدان اپنے مزعومات کو ثابت کرنے کے دعوے کرتے ہیں، اور مناظرہ طلبی کے بہت زیادہ حریص ہو رہے ہیں، اس لیے علمائے اہلسنت لبیک لبیک کہتے ہوئے میدان مین آچکے ہیں، میں نے کئی مناظرے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، موجودہ قرآن کے تحریف یافتہ ہونے کے موضوع پر جب مناظرہ شروع ہوتا ہے اور موجودہ قرآن کے تغیر تبدل یافتہ ہونے پر کتب معتبرۂ شیعہ سے ہزاروں روایات میدان میں نکل آتی ہیں اور شیعہ مناظر کے لیے کوئی جواب کا راستہ باقی نہیں رہتا، تو مذکورہ بالا ارشاد امام عالی مقام صاحب الامر والزمان کا سہارا لینے کی سعی کرتا ہے اور اپنے بزرگوں کی ہزاروں متواتر روایات کو رد کر دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ میرے صاحب غار کا ارشاد ہے اس لیے میں ان سب روایات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتا ہوں، اس جواب سے شیعہ مناظر کی گلوخلاصی تو ممکن نہیں ہے مگر مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں ہے میرا مقصود تو یہ ہے کہ تحریف قرآن کی متواتر روایات کو زمانہ حال کے شیعہ مبلغین مذکورہ بالا فرمان مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ردّ کر سکتے ہیں، تو وہ ایک دو روائتیں جو ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ

کے لیے کسی قسم کی طہارت شرط نہیں ہے مذکورہ بالا فرمان مہدی علیہ السلام کے ذریعہ کیوں مردود قرار نہیں پاتی ہیں؟ اور انہیں کیوں رد نہیں کر دیا جاتا جبکہ یہ روایات قرآن کے صاف برخلاف ہیں، کیونکہ قرآن ہر نماز کے لیے طہارت کو شرط قرار دیتا ہے اور یہ دو ایک روائتیں نماز جنازہ کے لیے طہارت کو ہرگز شرط قرار نہیں دیتی ہیں۔

بہرحال یہ پہلا اختلاف ہے جو باب وضو میں شیعہ وسنّی میں واقع ہوا ہے، اور پچھلے اوراق میں ناظرین خوب سمجھ چکے ہیں کہ اس مسئلے میں قرآن کریم کی حمایت اہل سنت والجماعت کو حاصل ہے۔ فالحمدلله علیٰ ذالک۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہر نماز کے لیے وضو شرط ہے تو وضو میں سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھونا چاہئے، ہاتھ سے مراد یہاں پنجہ ہے، کلائی کے جوڑ تک دونوں پنجے آلۂ وضو ہیں تو جو چیز صفائی اور پاکیزگی کا آلہ ہے وہی پاک صاف نہ ہو تو صفائی کا حاصل ہونا ناممکن ہوگا، جیسا کہ پانی آلۂ وضو ہے، اگر پانی پلید ہو تو وضو نہیں ہو سکتا پس جس طرح کہ پانی کا پاک ہونا وضو کے لیے ضروری ہے اسی طرح دوسرے پنجوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، حدیث میں نص نبوی موجود ہے ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

جب دونوں پنجے اندر باہر سے خوب صاف ہو جائیں تو چہرے کا نمبر ہے، کلی کرنا اور ناک میں پانی داخل کر کے چھینک دینا جو اہل سنت والجماعت کے

یہاں مسنون ہیں تو یہ بھی چہرہ کے دھونے کی تکمیل کے لیے ہیں، آنحضور ﷺ اپنا چہرہ مبارک دھونے سے پہلے ہمیشہ تین دفعہ کلی اور تین دفعہ ناک میں پانی داخل کر کے صاف کر لیا کرتے تھے۔ یہ بھی غسل وجہ کی تکمیل ہے، پھر چہرے کو دھونے کا حکم ہے، تمام چہرے کو تین دفعہ دھونا چاہیے، چہرے کی حد بندی میں بھی شیعہ وسنّی میں اختلاف ہے، شیعہ کی کتب فقہ میں چہرے کی حد بندی کا نہایت عجیب وغریب طریقہ لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ انگشت نر اور درمیانی انگلی کے احاطہ میں جو حصہ آ جائے وہ ہی چہرہ ہے اور جو حصہ ان کے احاطہ سے باہر رہ جائے وہ چہرہ میں داخل نہیں ہے، اہل سنت والجماعت کے علماء فرماتے ہیں کہ دونوں کانوں کے درمیان چہرہ ہے، اہل لغت اور محاورات عرب کی تائید اہل سنت کے ساتھ مخصوص ہے، انگشت نر اور درمیانی انگلی کے ذریعہ حد بندی کوئی معقول چیز نہیں ہے۔ چہرے کا کچھ نہ کچھ حصہ باہر رہ جاتا ہے، عربی بولی میں چہرے کے لیے جو لفظ مقرر ہے وہ وجۃ ہے یہ لفظ لغت کے اعتبار سے روبروئی کو ظاہر کرتی ہے اور روبروئی کی مدار دونوں کانوں کے درمیانی حصہ پر ہے، قرآن حکیم کے اندر لفظ وجۃ کئی جگہوں پر وارد ہوئی ہے، ہر جگہ پر وہ ہی معنے موزوں ہوتے ہیں جو علمائے اہلسنّت نے لکھے ہیں، اور جو معنے شیعہ علماء نے لکھا ہے اس کی طرف کسی ذی فہم کا ذہن جاتا ہی نہیں، دیکھو چوتھے پارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ وہ دن ایسا ہے کہ اس میں کئی لوگوں کے چہرے

سفید ہوں گے اور کئی لوگ ایسے بھی ہوں گے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ خدا تعالیٰ نے قیامت کے دن کی جو حالت بیان فرمائی ہے ظاہر بات ہے کہ پورا چہرہ سیاہ ہوگا، یا پورا چہرہ نورانی ہوگا، دونوں کانوں کے مابین اگر انگشت نر اور درمیانی انگلی کا چکر چلایا جائے تو آدھے رخسار بھی باقی رہ جاتے ہیں شیعہ کی حد بندی کو مدنظر رکھا جائے تو دونوں کانوں کے مابین تمام علاقہ ایک طرح پُر نہیں ہوگا کیونکہ انگشت نر اور وسطی کا چکر اس تمام رقبے کو تو اپنے احاطہ میں لے نہیں سکتا، کافی رقبہ باقی رہ جاتا ہے تو کیا کوئی عقل مند آدمی اس بات کو صحیح تصور کر سکتا ہے کہ نیکوکاروں کے چہروں کے کچھ حصے نورانی ہوں گے اور اس کے آس پاس کچھ حصے ایسے بھی ہوں گے جو نورانی نہیں ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اندریں صورت تو زینت کی جگہ قباحت لے لیگی۔ جو مقصود خداوندی سے ہزاروں بلکہ لاکھوں میل دُور ہے۔

ایک لطیفہ

زیادہ سوچنے پر معلوم ہوا کہ شیعہ علماء کو وجہٌ اور وجنۃٌ میں اشتباہ ہوگیا ہے، اور واقعی محل اشتباہ بھی ہے کیونکہ صرف نون کا فرق ہے۔ واؤ، جیم کا اشتراک ہی اس کے اشتباہ کے لیے کافی ہے۔ وجنہ (رُخسار) کو کہتے ہیں۔ غالبًا یہ لوگ جو وجنہ کا ترجمہ ہے اسی کو وجہ کا ترجمہ سمجھ کر انگشت نر اور درمیانی انگلی کا چکر چلا رہے ہیں۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ وجنہ (رخسار) وَجْہُ (چہرے) کی ایک جز ہے۔ انگشت نر اور درمیانی رخسار کو تو اپنے احاطہ میں

لے سکتی ہے، تمام چہرے کو ہرگز احاطہ میں نہیں لے سکتے۔ راقم الحروف نے چہرے کے طول کی بحث نہیں چھیڑی اس لیے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف چوڑائی میں ہے، امید ہے کہ ناظرین کرام اس مسئلہ کو خوب سمجھ گئے ہوں گے، اس لیے اب ہم آگے چلتے ہیں۔ جب مومن نمازی اپنے چہرے کو تین دفعہ دھو چکا تو اس کے لیے حکم ہے اپنے دونوں بازوؤں کو یکے بعد دیگرے پہلے دائیں کو پھر بائیں کو پنجے سے لے کر کہنیوں تک تین تین دفعہ دھوئے کہنیوں کو خارج نہ کر بیٹھے بلکہ انہیں بھی اسی طرح غسل کرائے جس طرح باقی بازو کو غسل کرایا ہے۔

اختلاف سوم

بازوؤں کو دھونے مین اگرچہ اتفاق ہے مگر دھونے کے طریقے میں اختلاف ہے، اہل سنت والجماعت کے فقہا نے اپنی کتب فقہ میں لکھا ہے کہ دھونے کی ابتداء انگلیوں کی جانب سے ہو اور انتہا کہنیوں پر ہو برخلاف اس کے شیعہ علمائے فقہ اپنی کتب فقہ مین تحریر کر گئے ہیں کہ وضو کی ابتداء کہنیوں کی جانب سے ہو اور انتہا انگلیوں پر ہونی چاہیے، اس مسئلہ میں صراحت قرآن کریم اہل سنت والجماعت کی تائید میں ہے کیونکہ قرآن حکیم کے اندر آیت وضو میں جو لفظ عربی بولی میں انتہا کے لیے مقرر ہے وہ کہنیوں پر آیا ہے۔ انگلیوں پر نہیں آیا، شیعہ علماء نے جب دیکھا کہ یہ آیت وضو جو سورۂ مائدہ میں موجود ہے اور جس

طرح پر موجود ہے۔ان کی تائید نہیں کرتی تو جھٹ یہاں تحریف یعنی تغیر تبدل انسانی کا فتویٰ جڑ دیا۔اور چونکہ یہ فتویٰ قابل قبول نہیں ہوسکتا تھا،اس لیے اس کو ائمہ کرام اہل بیت عظام کی طرف منسوب کردیا۔ملاحظہ ہو فروع کافی جلد اول مطبوعہ تہران صفحہ۱۰ : (فروع کافی طبع جدید جلد۳،صفحہ۲۸)

قال سئلت ابا عبدالله عليه السلام عن قول الله عزّ وجلّ فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق فقلت هذا ومسحت من ظهر كفيّ الى المرفق فقال ليسها كذا تنزيلُها انما هي فاغسلوا وجوهكم وايديكم من المرافق ثم امرّيده من مرفقه الى اصابعه.

ہثیم کہتا ہے کہ میں نے جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ فاغسلوا وُجوھکُم والی آیت کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب نیچے سے لے کر کہنیوں تک دھونے کا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ آیت اس طرح پر نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ یہ تو فاغسلوا وجوهكم وايديكم من المرافق تھا پھر آپ نے مطلب کہنیوں سے لے کر ہتھیلی تلک دھونے کا بیان فرمایا۔

نوٹ : دیکھو فروع کافی کی اس حدیث کو بار بار دیکھو کیا اس حدیث میں موجودہ قرآن کے غلط اور تبدیل شدہ ہونے کا اعلان نہیں ہورہا،کیا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ بات ممکن بھی ہے۔؟ ہرگز نہیں وہ کب قرآن کی تحریف کا خیال کرسکتے تھے،یہ تو راویان اور بانیان مذہب شیعہ کی کارستانیاں ہیں۔امام ان چیزوں سے معصوم ہیں،اماموں کے معصوم ہونے کا معنی ہی یہ ہے کہ وہ ان باتوں سے پاک ہیں جو شیعہ علماء نے ان کی طرف منسوب کی ہیں، ہاں تو اس معنے میں ائمہ اہل بیت عظام کو معصوم تسلیم کرنے میں کسی کو بھی پس وپیش نہیں ہوگا۔واقعی مظلوم بھی وہ لوگ اس معنے میں ہیں۔کہ ان کی جانب تحریف قرآن کی ثابت کنندہ روایات کو منسوب کردیا گیا ہے اور اس کاروائی کا سہرا بھی راویان مذہب شیعہ ہی کے سر پر ہے۔

جب دونوں بازوؤں کو تین تین دفعہ خوب دھو چکے تو اس کے بعد سر کے مسح کا نمبر ہے،سر کے مسح کے لیے جدید پانی سے ہاتھ تر کرکے سر پر پھیر دینا چاہیے۔

اختلاف چہارم

شیعہ فقہا اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔کہ مسح چاہے سر کا ہو اور چاہے پاؤں کا ہو۔جدید پانی نہیں لینا چاہیئے،بلکہ متوضی کے ہاتھوں پر جو تری پہلے اعضاء کے دھونے سے باقی ہوتی ہے،اسی سے مسح کرلینا چاہیے،جدید پانی نہیں

لینا چاہیے۔ دیکھو شیعہ کی مشہور و معروف کتاب من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول مطبوعہ طہران صفحہ ۱۵

"ویکون ذٰلک بما بقی فی الیدین من الندواۃ من غیر ان تجدّد له ماءً اور یہ مسح اس تری سے ہوتا ہے جو باقی رہ جاتی ہے اس لیے جدید پانی نہ لینا ہوگا۔"

نوٹ : مذکورہ بالا حدیث میں جو نئے پانی کی نفی آئی ہے اس کے نتیجے میں زمانہ حاضرہ کے مجتہد اعلم شیعی دنیا کے مقتدائے مسلّم آقا حسین بروجردی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں، دیکھو جامع المسائل اُردو صفحہ ۷۶،

"ہاں اگر ہاتھ خشک ہو جائیں تو مقامات مذکورہ وضو کی تری سے بے اشکال مسح جائز ہے۔" جامع المسائل کی عبارت ختم۔

دیکھا صاحب جدید پانی ہرگز نہ لینا۔ اعضائے وضو سے تری لے لینا اور مسح کر لینا مگر جدید پانی لینے کی اجازت نہیں ہے۔ علمائے اہل سنت کہتے ہیں کہ آدمی کا سر ایک مستقل اندام ہے کسی اور اندام کی جزو نہیں ہے، تو پھر اس کے لیے جدید پانی کی ضرورت ہے، ہمارے یہاں آدمی کے کان سر کی جزو ہیں، اس واسطے ان کے مسح کے واسطے جدید پانی کی ضرورت نہیں جانتے۔ مگر آدمی کا سر اس کے استقلال میں شبہ کرنا بھی کوتاہی عقل کی دلیل ہوگی۔

جب متوضی سر کا مسح کر چکے تو پاؤں کا نمبر ہے، شیعہ وسنّی حضرات میں در بارۂ وضو جو بھاری اختلاف ہے وہ پاؤں سے متعلق ہے۔

❁ اختلاف پنجم ❁

اہل سنت کے نزدیک ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ کہنیوں تک بازوؤں کا دھونا فرض ہے اور شیعہ کے یہاں پاؤں کا مسح فرض ہے۔ جیسا کہ ان کے نزدیک سر کا مسح فرض ہے۔ پہلے پہل ہم یہاں شیعہ کے فرضیت مسح کے دلائل اور ان کے اہل سنت کی جانب سے جوابات ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد پاؤں کے دھونے کی فرضیت کے دلائل ذکر کریں گے۔

❁ شیعہ کی پہلی دلیل ❁

خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ: اور اپنے سروں کے بعض حصے کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کر لو۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعی مطبوعہ انشاء پریس لاہور صفحہ ۱۲۳)

(طبع کرشن نگر لاہور صفحہ ۲۱۳ افتخار بکڈپو، اصل)

❁ الجواب ❁

مولوی مقبول احمد صاحب شیعی اور اس کے ہم مذہب لوگوں نے آیت مذکورہ کا جو ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ سراسر غلط ہے اس ترجمے کے صحیح ہونے کی دارومدار ارجلکم اور رؤوسکم کے باہمی عطف کے صحیح ہونے پر ہے اور یہ عطف کسی طرح پر اور کسی نحوی قاعدے کی رو سے صحیح نہیں ہوسکتا۔ پس ترجمہ کے صحیح ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سننے سے پہلے ایک معذرت قبول فرمایئے گا، وہ یہ ہے کہ لفظ عطف ایک خاص نحوی اصطلاح کی لفظ ہے، اس کے استعمال سے چارہ نہیں ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ☆ بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

ہم قارئین کی خدمت میں صرف اتنا عرض کر سکتے ہیں کہ دو چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینے کو عطف کہتے ہیں، جو دو چیزیں آپس میں ملائی جاتی ہیں، اُن میں سے پہلی کو معطوف علیہ اور دوسری کو معطوف بولتے ہیں، اب اصل مضمون کی طرف آیئے!

شیعہ علماء نے جو ترجمہ کیا ہے تو انہوں نے رؤوس کو معطوف علیہ اور ارجل (پاؤں) کو معطوف بنایا ہے، عربی بولی کا قاعدہ یہ ہے کہ معطوف علیہ پر زبر ہو تو معطوف پر بھی زبر ہوتی ہے، اور اگر معطوف علیہ پر زیر ہو تو معطوف پر

بھی زیر ہوتی ہے، اور اگر معطوف علیہ پر پیش ہو تو معطوف پر بھی پیش ہوتی ہے۔ اس قاعدے کو تمام نحویوں نے لکھا ہے شیخ رضی بھی اس قاعدے کو اسی طرح مانتا ہے جس طرح کہ ابن حاجب اس کو بیان کرتا ہے۔ نحوی مسائل میں مذہب کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اس لیے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ممکن ہے سنّی نحوی کچھ اور لکھ گئے ہوں اور شیعہ نحوی اس کے برخلاف تحریر کر گئے ہوں۔ یاد رہے اور خوب یاد رہے کہ جو قاعدہ ہم نے لکھا ہے، اس پر تمام نحویوں کا اتفاق ہے۔

اب ہم ہر صاحب بصارت اور ہر صاحب نظر سے پوچھتے ہیں کہ کہ آیت مذکورہ میں معطوف علیہ یعنی رؤوس اور معطوف یعنی ارجل دونوں ایک طرح پر ہیں کیا؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں اسم ایک طرح پر نہیں، بلکہ پہلا اسم معطوف علیہ یعنی رؤوس اپنے آخری حرف یعنی سین پر زیر رکھتا ہے اور دوسرا اسم معطوف یعنی ارجل اپنے آخری حرف یعنی لام زبر رکھتا ہے، پس ان دونوں اسموں کو آپس میں معطوف علیہ اور معطوف قرار دینا سخت ناجائز ہے۔

❁ ایک سوال ❁

عطف دو قسم ہے ایک عطف لفظی اور دوسرا عطف محلی، آیت مذکورہ اگرچہ عطف لفظی تو نہیں بن سکتا مگر یہاں پر عطف محلی ہے، عطف لفظی تو وہ ہے جو اُوپر ذکر ہوا، اور عطف محلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معطوف علیہ جس

موقع پرواقع ہے اس موقع کے لحاظ سے اس پر جو حرکت ہونی چاہیئے ۔ اس حرکت میں معطوف اور معطوف علیہ اتفاق رکھیں ، جیسا کہ دسویں پارے میں فرمایا: اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَرَسُوۡلُہٗ اس آیت میں اللہ معطوف علیہ ہے اور رسولہٗ معطوف ہے ، عطف لفظی یہاں نہیں ہے کیونکہ یہاں اللہ لفظی اعتبار سے اگرچہ زبر رکھتا ہے مگر موقع اس کا پیش کا ہے ۔ اس واسطے کہ حقیقت میں مبتداء ہے اور حق مبتداء پیش ہوتا ہے ، اگر یہاں پر لفظ اَنَّ تحقیقیہ نہ ہوتا تو اسم ذات جلالی ضرور پیش والا ہوتا ہے ۔ اتنی وضاحت عوام الناس کے لیے کر دی ہے ورنہ علمائے فریقین تو ان باتوں کو بطور بداہت جانتے ہیں ، خیر بہر حال شیعہ علماء جب عطف لفظی میں کامیاب نہیں ہو سکے تو پھر انہوں نے عطف محلی کا سہارا لیا ہے اور یوں سمجھے ہیں کہ کامیاب ہو گئے ، مگر کامیابی کہاں ؟ وہ تو بہت دور ہے ۔

❁ الجواب ❁

عطف محلی آیت وضو میں نہیں بن سکتا ، جیسا کہ عطف لفظی نہیں بن سکتا ، وجہ اس کی یہ ہے کہ ائمہ نحو نے عطف محلی کے لیے چند ایک شرائط لکھی ہیں ، ان شرطوں میں سے پہلی شرط ہی آیت مذکورہ کے عطف میں نہیں پائی جاتی ۔

دیکھو مغنی مصری صفحہ ۹۲ جلد ثانی :

"وَالثَّانِیَ الۡعَطۡفُ عَلَی الۡمَحَلِّ نَحۡوُ لَیۡسَ زَیۡدٌ بِقَائِمٍ وَلَاقَاعِداً وَلَہٗ عِنۡدَ الۡمُحَقِّقِیۡنَ ثَلَاثَۃُ شُرُوۡطٍ اَحدُھا

اِمۡکَانُ ظُھُوۡرِہٖ فِی الۡفَصِیۡحِ.

اور دوسرا قسم عطف محلی ہے ، جیسے لَیۡسَ زَیۡدٌ بِقَائِمٍ وَلاَ قَاعِداً اور اس کے لیے محقق علمائے نحو کے نزدیک تین شرطیں ہیں ، پہلی شرط یہ ہے کہ فصیح کلام کے اندر اس محلی اعراب کو ظاہر کیا جا سکے ۔"

تشریح : محلی اعراب کو ظاہر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ظاہر کرنے پر کلام بھی فصیح رہے اور معانی میں بھی تفاوت نہ آئے ، جیسا کہ مَرَرۡتُ بِزَیۡدٍ وَ عَمۡرًوا درست نہیں ہے کیونکہ زید کا محلی اعراب زبر خیال کر کے عطف محلی بنایا جائے تو اس کے ظاہر کرنے کی صورت میں کلام یوں بن جائے گی ، مَرَرۡتُ زَیۡدًا وَ عَمۡرًوا عرب کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ کلام عرب ہی نہیں رہی اور اس کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں اور لَیۡسَ زَیۡدٌ بِقَائِمٍ وَلاَ قَاعِداً درست ہے ، کیونکہ اس عبارت میں قائمٍ کا محل زبر کا ہے اور اگر اس محل کو ظاہر کر دیا جائے اور یوں پڑھا جائے لَیۡسَ زَیۡدٌ قَآئِماً وَلاَ قَاعِداً تو بھی عبارت فصیح اور با معنی رہتی ہے ۔ بھید اس میں یہ ہے کہ پہلی عبارت میں یعنی مَرَرۡتُ بِزَیۡدٍا وَ عَمۡرًوا میں بائے جارہ زائدہ نہیں ہے بامعنے ہے تعدیہ اس کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری عبارت یعنی لَیۡسَ زَیۡدٌ بِقَائِمٍ وَلاَ قَاعِداً میں بائے جارہ زائدہ ہے ، اس کے ہونے نہ ہونے سے عبارت میں کوئی

فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس چیز کا معانی پر کچھ اثر پڑتا ہے۔

اب آیئے آیت وضو میں غور کیجئے کیا وَامۡسَحُوۡا بِرُؤُسِکُمۡ میں بائے جارہ زائدہ ہے، یا کہ بامعنے ہے؟ ابھی پچھلے صفحات میں مولوی مقبول احمد شیعی کے ترجمہ سے دیکھ چکے ہیں، وہ ترجمہ میں لکھتے ہیں اور اپنے سروں کے بعض حصہ کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرلو، اس ترجمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ مولوی صاحب نے بائے جارہ کو زائدہ نہیں بنایا ہے بلکہ اس بائے جارہ ہی کا ترجمہ بعض کیا ہے معلوم ہوا کہ اگر اس عبارت میں بائے جارہ ہو تو بعض حصے کا مسح ہوتا ہے اور اگر اس عبارت میں بائے جارہ نہ ہو تو اس کا معنی تمام کا ہوتا ہے۔ مولوی مقبول احمد شیعی پر ہی کیا موقوف ہے شیعہ کے تمام متقدمین متاخرین اس بائے جارہ کو بمعنے بعض لکھ رہے ہیں، اور معطوف مین یعنی پاؤں میں جب یہ حرف نہیں ہے تو شیعہ کے نزدیک پاؤں کا مسح تمام کا تمام ہونا چاہیے، حالانکہ کوئی شیعہ فرد اس بات کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی کسی کا اس پر عمل ہے، پس شیعہ علماء کے نزدیک عطف محلی کیسے بن سکتا ہے؟ ہاں اگر یہ لوگ بائے جارہ کو بائے بے معنے بنائیں اور اس کے ہونے نہ ہونے کو معنی کے لحاظ سے برابر سمجھیں اور پاؤں کے مسح میں احاطہ کے قائل ہو جائیں تو عطف محلی کا قول کرسکتے ہیں مگر سورج سے زیادہ واضح یہ بات ہے کہ شیعہ علماء کیا متقدمین اور کیا متاخرین اس بائے جارہ کو بائے بعضیہ ضرور بناتے ہیں، اندریں حالات آیت

وضو میں عطف محلی خیالِ خام ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

❁ تحقیق مقام ❁

علمائے نحو میں بائے بعضیہ کے بارے میں اختلاف ہے کچھ لوگ اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کچھ نحوی اس کے منکر ہیں، محققین نحو کے نزدیک بائے بعضیہ جہاں بھی واقع ہو وہ بائے الصاق ہے وہ الصاق سے ہی بعض کے معنے نکل آتے ہیں آیت مذکورہ بالا وضو میں وَامۡسَحُوۡا بِرُؤُسِکُمۡ کو دیکھو، اس میں بائے الصاق کا مطلب یہ ہوگا، کہ ہاتھ تر کر کے سر کے ساتھ ملادو، اور ظاہر ہے کہ تر ہاتھ تمام سر کے ساتھ تو مل نہیں سکتا بلکہ سر کے کچھ حصہ سے ملے گا، اور کچھ حصہ باقی رہ جائے گا۔ الصاق اُردو بولی میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے کو کہتے ہیں اور مسح کے ساتھ جو لفظ بائے جارہ آتی ہے وہ تیسری چیز کو ظاہر کرتی ہے زائدہ نہیں ہوتی ہے۔ وضو کے باب میں جو مسح ہے وہاں تیسری چیز پانی ہے اور تیمم کے باب میں جو مسح ہے اس میں تیسری چیز مٹی ہے، وضو میں سر کا مسح جو کیا جاتا ہے تو ہاتھ پانی سے تر کر کے سر کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور تیمم میں چہرے اور دونوں بازوؤں کا مسح کیا جاتا ہے، تو وہ ہاتھ کو خاک آلود کر کے چہرے اور بازو سے ملایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وَامۡسَحُوۡا بِرُؤُسِکُمۡ میں جو حرف با ہے وہ بے معنی نہیں ہے، بلکہ وہ ہاتھ کے پانی سے تر کرنے کو ظاہر کر رہا ہے۔ اب اگر

شیعہ کے قول بموجب اَرْجُلَکُمْ کا عطف رُؤُوْسِکُمْ کے محل پر کیا جائے ،تو ائمہ نحو کے ارشاد کے مطابق اس محل کو ظاہر کرنا درست اور فصیح ہونا چاہیے حالانکہ اس محل کو ظاہر کرنے سے آیت کے معنے ہی دگرگوں ہوجاتے ہیں ،دیکھو آیت ھذا کے محل کو ظاہر کرنے کی صورت میں وَامْسَحُوْا رُؤُسِکُمْ صحیح اور فصیح اور درست ہوگا۔اور جب بائے جارہ نہ رہی تو اس کا معنے بھی نہ رہا اور جب بائے جارہ کا معنے آیت سے نکل گیا تو معنے آیت کا یہ ہوگا کہ اپنے ہاتھ سروں پر پھیر دو، اس میں نہ پانی کی شرط ہوگی ،اور نہ مٹی کی پابندی ہوگی ، بلکہ خشک ہاتھ سر پر پھیر دینے سے حکم خداوندی پورا ہوجائے گا۔اور جب پاؤں کا تعلق اس سے ہوگا تو پاؤں پر بھی خشک ہاتھ پھیر دینے سے حکم خداوندی پورا ہوجائے گا ،اور جب پاؤں کا تعلق اس سے ہوگا تو پاؤں پر بھی خشک ہاتھ پھیر دینے سے وضو ہوجائے گا۔

ناظرین باانصاف غور کریں کہ عطف محلی بتانے سے کیسے کیسے عجیب نتیجے برآمد ہوئے ہیں کیا آج کوئی شیعہ میں ایسے اہل علم بھی ہیں؟ جو خشک ہاتھ پھیر دینے کو سر اور پاؤں کے لیے کافی خیال کریں گے ؟ ہرگز نہیں ۔دراصل بات یہ ہے کہ عطف محلی کی اصطلاح کہیں سے شیعہ علماء نے سن لی ،اور عطف لفظی بن نہیں سکتا تھا غنیمت سمجھئے کہ چلو عطف لفظی نہیں بنتی تو نہ بنے عطف محلی بھی تو ایک عطف کی قسم دنیا میں موجود ہے، آیت میں وہ ہی بنالیں گے ،کاش کہ علمائے شیعہ عطف محلی کی حقیقت اور شرائط پر بھی غور کر لیتے تو اس قدر فضیحت نہ ہوتے۔

شیعہ کی دوسری دلیل :

'' قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الناس ابوا لاالغسل ولا احد فی کتاب اللہ الا المسح (ابن ماجہ ص ۳۶) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پاؤں کے بارے میں لوگوں نے صرف دھونا اختیار کیا ہے اور مجھے خدا کی کتاب میں مسح ہی مسح ملتا ہے۔''

اہل سنت کے نزدیک فتاوائے صحابہؓ حجت ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے مندرجہ بالا حدیث جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب پاؤں کا مسح کا تھا، اہل سنت کو لازم ہے کہ ابن عباسؓ کے فتوے کی تصدیق اور تقلید کریں اور شیعہ سے اختلاف ترک کردیں۔

❁ الجواب ❁

پہلا جواب : ابن ماجہؒ نے جو روایت کی ہے، اس کے راویوں میں ایک راوی کا نام ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل۔ان کی روایات محدثین کے نزدیک ایسی کمزور اور ضعیف ہوتی ہیں کہ لائق حجت نہیں ہوتیں۔علمائے رجال حدیث کے تبصرے ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ششم صفحہ ۱۴، ابن سعد کا ارشاد ہے :

❁ **کان منکر الحدیث لا یحتجون بحدیثہٖ** یعنی ثقاہت کے خلاف روایت کرتا تھا، اس لیے اس کی حدیث کو لائق حجت نہیں جانتے تھے۔

❁ اور بشر بن عمر نے کہا **کان مالک لا یروی عنہٗ** یعنی امام مالک ان سے روایت نہیں لیتا تھا۔

❁ اور علی بن مدینی فرماتے ہیں **وکان یحیی ابن سعید لا یروی عنہٗ** یعنی بن سعید اس سے روایت نہیں کرتا تھا۔

❁ اور یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں **صدوق وفی حدیثہ ضعف شدید جدا** یعنی سچ بولتا ہے لیکن اس کی حدیثوں میں نہایت درجہ کی کمزوری ہوتی ہے۔

❁ سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے: **اربعة من قریش یترک حدیثهم فذکره فیهم** یعنی قریشیوں میں سے چار شخص ایسے ہیں جن کی حدیث کا ترک کر دینا ضروری ہے، پس انہیں میں عبداللہ بن محمد مذکور کو درج فرمایا ہے۔

❁ اور امام حمیدی نے ابن عیینہ سے روایت کی ہے **کان**

فی حفظہٖ شیی فکرھت ان القاہ یعنی اس کے حافظہ میں قصور تھا، اس لیے میں نے اس کی ملاقات کو برا منایا مطلب یہ ہے کہ استفادہ نہ کرنے کی وجہ موصوف کا حافظے کا کمزور ہونا ہے۔

❁ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **منکر الحدیث** یعنی معتبر راویوں کے خلاف روایت کرتا تھا۔

❁ **قال مسلم قلت لابن معین ابن عقیل احبّ الیک او عاصم بن عبید اللہ قال ما اُحبّ واحداً منهما** یعنی امام مسلم فرماتے ہیں کہ ابن معین سے میں نے عرض کیا کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل آپ کو زیادہ پسند ہے یا کہ عاصم بن عبداللہ، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ان دونوں میں سے کوئی بھی پسند نہیں ہے۔

❁ اور امام ابوحاتم فرماتے ہیں: **لیّن الحدیث لیس بالقوی ولا ممن یحتج بحدیثہٖ** یعنی حدیث میں نرم ہے، اور اس کی حدیث میں کوئی قوت نہیں ہوتی، اور یہ شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کی حدیث کو مسئلہ میں بطور حجت استعمال کیا جائے۔

❁ اور ابن خزیمہ کا تبصرہ بھی سن لیجئے فرماتے ہیں

لااحتج بہٖ لسوء حفظہٖ یعنی میں اس کی حدیث کو سند کے لائق نہیں جانتا، کیونکہ اس کا حافظہ بہت خراب تھا۔

❁ اور میزان الاعتدال جلد دوم ص ۶۸[1] ابن حبان فرماتے ہیں: **ردی الحفظ یجئی بالحدیث علی غیر سننہٖ فوجبت مجانبة اخبارہ** یعنی عبداللہ بن محمد بن عقیل کا حافظہ خراب تھا، حدیث کو غلط طریق پر بیان کرتا تھا ،پس اس کی حدیثوں سے کنارہ کرنا واجب ہوگیا ہے۔

نوٹ : عبداللہ بن محمد بن عقیل جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مسح کے اصل راوی ہیں ان کی یادداشت اچھی نہ تھی ،اس لیے حدیث کے متن میں بہت خطا کر جاتے تھے، کچھ کا کچھ بیان کر دیتے تھے، جیسا کہ ابھی علمائے رجال حدیث کے تبصرہ جات سے معلوم ہوا تو اب کون صاحب ہوش ایسا ہے جو موصوف کی روایت کو لائق حجت سمجھے۔ شیعہ علماء کے استدلات کو جس قدر دیکھا گیا ہے سب اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔

(۱) میزان الاعتدال جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۸۴ طبع جدید سانگلہ ہل پاکستان

❁ دوسرا جواب : ❁

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا یہ ارشاد بطور تصدیق نہیں ہے بلکہ آپ کا یہ فرمان بطور امتحان اور بغرض تفتیش ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے ہم زمان علماء کے سامنے یہ چیز بطور امتحان رکھتے تھے کہ دیکھو بھائی آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تمام صحابی وضو میں پاؤں دھوتے ہیں، اور قرآن حکیم سے پاؤں کا مسح معلوم ہوتا ہے کیا یہ ہوسکتا ہے؟ کہ تمام صحابہ کرام قرآن کے برخلاف ہوں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تو وجہ تطبیق کیا ہے؟ امتحانی فقرے کو راویوں نے تصدیقی فقرہ بنالیا اور یوں سمجھے کہ عبداللہ بن عباس کا مذہب یہی ہے، حالانکہ بات اس طرح پر نہ تھی۔

وَکَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلاً صَحِیْحاً   وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِیْمِ

بہت لوگ صحیح بات میں عیب نکالتے ہیں   حالانکہ اپنے سمجھ کا پھیر ہوتا ہے !

❁ حضرت مولانا امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب الفوز الکبیر ص ۴۱ پر فرماتے ہیں:

" آنچہ پیش ابن عباس مقرراست ہمان غسل است لیکن اینجا اشکالے را تقریر بنمائند واحتمالے را اظہارمی کنند تابہ بیند

که علمائے عصر دریں تعارض چه نوع تطبیق می دهند و کدام راه سلوک می نمایند بعضے آنانکه بر حقیقت روز مره سلف مطلع نه بودند .ایں را قول ابن عباس دانستند ومذهب او نهادند .حَاشَا ثُمَّ حَاشَا

جوحضرت ابن عباسؓ کے نزدیک مقرر ہے وہ غسل رجلین ہی ہے لیکن آپ اس موقع پر ایک اعتراض کی تقریر فرماتے ہیں اور ایک احتمال ظاہر کرتے ہیں اس لیے کہ دیکھیں کہ علمائے زمانہ اس تعارض کے جواب میں کس طرح تطبیق کرتے ہیں اور کون سے راستے پر چلتے ہیں ؟ بعض وہ لوگ جو کہ اسلاف کے محاورات کی حقیقت کو نہیں جانتے تھے، اس کو ابن عباسؓ کا تصدیقی قول اور آپ کا مذہب سمجھے اور کہا ،کہ ابن عباسؓ کا مذہب ہے ،آپ اس نسبت سے پاک ہیں ،پھر کہتا ہوں کہ آپ اس نسبت سے پاک ہیں۔''

❁ اس موقع پر سید محمود آلوسی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تبصرہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا ،دیکھو روح المعانی جلد ششم صفحہ ۷۷

'' ومایزعمه الامامية من نسبةالمسح الى ابن عباسؓ وانس بن مالکؓ وغيرهما كذب مفترىً عليهم فانّ احداً منهم ماروى عنه بطريقٍ صحيح انهٗ جوّز المسح .

اوروہ جو امامیہ کا گمان ہے کہ ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ وغیرہما پاؤں کا مسح کرتے تھے تو وہ سفید جھوٹ ہے جو گھڑ کر ان بزرگوں پر باندھا گیا ہے اس لیے کہ ان بزرگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے صحیح سند کے ساتھ مسح روایت کیا گیا ہو۔''

❁ اسی طرح چند سطور کے بعد حضرت محمود صاحب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''ونسبة جواز المسح الى ابى العالية وعكرمة والشعبى زور وبهتان ايضاً .

اور پاؤں کے مسح کے جائز ہونے کی نسبت جو ابو عالیہ اور عکرمہ اور شعبی کی طرف کی گئی ہے وہ سفید جھوٹ اور بہتان ہے۔''

❁ تیسرا جواب ❁

شیعہ بھائیوں کی ایک بڑی مشہور کتاب ہے جس کا نام '' من لایحضرہ الفقیہ '' ہے، اس کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۳ پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے : (طبع جدید جلد ۱ صفحہ ۲۵ تہران)

'' عن ابی عبدالله علیه السلام قال فرض الله الوضوء واحدةً واحدةً ووضع رسول الله للناس اثنتین اثنتین.

امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے فرمایا خدا تعالیٰ نے تو وضو ایک دفعہ فرض کیا، اور خدا کے رسول ﷺ نے لوگوں کے لیے دو دو دفعہ مقرر کیا۔''

یہ حدیث چونکہ شیعہ مذہب کے خلاف ہے کہ شیعہ مذہب میں جو اندام وضو میں دھوئے جاتے ہیں وہ صرف ایک ایک بار دھوئے جاتے ہیں، دو دو بار دھونا ان کے مذہب میں کوئی اچھا کام نہیں ہے، اور حدیث مذکورہ بالا وضو میں دو دو دفعہ دھونا ثابت کر رہی ہے۔ اس لیے شیخ صدوق جو کہ کتاب مذکور کے مصنف ہیں اس موقع پر ارشاد فرماتے ہیں کہ **ھذا علی جھة الانکار لاعلی جھة الاخبار** : یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث جملہ خبریہ کے

طریق پر نہیں ہے بلکہ تعجب اور انکار کے طریق پر ہے۔

مراد امام کی یہ ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ؟ کہ خدا تعالیٰ تو ایک ایک دفعہ دھونا فرض کریں اور اس کے رسول ﷺ دو، دو دفعہ دھونا مقرر کر دیں۔ پس اُمید ہے کہ جس طرح شیعہ حضرات نے شیخ صدوق کے اس جواب کو قبول کیا ہے ہماری طرف سے ابن عباس کی حدیث کے جواب میں یہی طرزِ جواب قبول کرلیں گے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ از راہ تعجب اور انکار فرمایا کرتے تھے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے، قرآن سے پاؤں کا مسح ثابت ہوا، اور تمام صحابہ دھونے پر اصرار کریں۔؟

پس جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہ تھے انہوں نے انکار اور تعجب کے اقرار اور تصدیق بنا ڈالا اور دنیا میں مشہور کر دیا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مذہب وضو میں پاؤں کے مسح کرنے کا ہے، اگرچہ ہم نے اپنی تقریر کو لطیفے کا نام دیا ہے مگر حقیقت میں یہ ابن عباسؓ کی حدیث کا جواب سوم ہے۔

شیعہ کی تیسری دلیل :

مسئلہ تیمّم ہے، کیونکہ تیمّم کے اندر پاؤں کو سر کے ساتھ ملایا گیا ہے، وضو میں جو اندام دھوئے جاتے ہیں تیمّم میں ان کا مسح ہے اور وضو میں جو اندام مسح کئے جاتے ہیں، تیمّم میں ان کا مسح نہیں ہے، جیسا کہ وضو میں سر کا مسح ہے تو تیمّم میں

اس کا مسح نہیں ہے ٹھیک اسی طرح تیمم میں پاؤں کا مسح نہیں ہے تو اس کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ بغیر اس کے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہوتا تو ضرور ہے کہ تیمم میں ان کا مسح فرض ہوتا۔

❁ الجواب ❁

جیسا تیمم وضو کے قائم مقام ہوتا ہے ایسا ہی تیمم غسل جنابت کے قائم مقام ہوتا ہے، جو شخص جنابت سے دوچار ہو جائے اور اس کو پانی نہ ملے یا استعمال نہ کر سکے تو بجائے غسل کے تیمم کرتا ہے اور یہ تیمم بھی اسی طرح پر ہوتا ہے جس طرح پر وضو کی جگہ ہوتا ہے۔ ذرہ بھر فرق نہیں ہے، پس شیعہ کی مذکورہ بالا دلیل چاہتی ہے کہ جنابت والا آدمی غسل میں چہرے کو اور دونوں بازوؤں کو دھویا کرے، باقی سارے بدن کا مسح کرے۔ کیونکہ تیمم کے اندر جو اندام مسح کیے جاتے ہیں وہ اس کے اصل میں دھوئے جاتے ہیں اور تیمم میں جو اندام مسح سے خارج کر دیئے جاتے ہیں وہ اس کے اصل میں مسح کیے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ غسل جنابت میں چہرے اور بازوؤں کے علاوہ تمام بدن کو خوب دھویا جاتا ہے تو غسل جنابت کا جو تیمم قائم مقام ہے۔ اس نے بتلا دیا کہ شیعہ کا قیاس باطل ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو اندام تیمم میں مسح کیے جاتے ہیں وہ اصل میں دھوئے جاتے ہیں اور تیمم میں جو اندام مسح سے خارج کر دیئے جاتے ہیں وہ اصل میں مسح کیے جاتے ہیں۔ شیعہ دوستوں نے وضو اور تیمم کو سامنے رکھ کر ایک

قاعدہ تیار کیا، مگر افسوس کہ اسی آیت میں غسل جنابت کا تیمم موجود تھا، ادھر سے دونوں آنکھیں بند کر لیں یا پھر بیچاروں کو نظر نہیں آیا۔

❁ ایک لطیفہ ❁

شیعہ مبلغین امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جب پروپاگنڈا کرتے ہیں تو قیاس کی خوب مذمت اور برائی بیان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس کو ٹھہراتے ہیں اور اس کے بعد تمام قیاس کرنے والوں کو ابلیس کا پیروکار بناتے ہیں اور اس پر خوب بغلیں بجاتے ہیں، وضو میں پاؤں کے مسح کے ثابت کرنے کے لیے آخر شیعہ بھائیوں نے بھی قیاس سے کام لیا اور وضو کو بھی تیمم پر قیاس کیا، مگر افسوس کہ قیاس کرتے وقت تصویر کے ایک رخ کو دیکھا اور اس کے دوسرے رخ کا دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ مراد میری اس سے ہے کہ وضو کے تیمم کو دیکھتے رہے اور غسل جنابت کے تیمم کی طرف نظر نہ گئی سچ ہے جس کا کام اسی کو ساجے۔ انہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ قیاس منصوص میں ہوتا ہے یا کہ غیر منصوص میں اس کی ضرورت ہوتی ہے ؟ وضو کے باب میں پاؤں کا دھونا منصوص ہے، جیسا کہ ابھی آتا ہے اور یہ لوگ نص کے مقابلے میں قیاس پیش کر رہے ہیں، کہیں وہ ہی بات نہ ہو جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف خود کہا کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

اہلسنت والجماعت کے دلائل :

❁ **پہلی سُنّی دلیل** : وضو میں پاؤں دھونے کی فرضیت قرآن حکیم سے ثابت ہے، خداوند تبارک وتعالیٰ سورۃ مائدہ میں فرماتے ہیں :

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ۔

اے ایمان والو جس وقت نماز کے لیے تیار ہوجاؤ تو اپنے چہروں کو اور اپنے اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو، اور اپنے اپنے سروں کا مسح کرلو اور اپنے اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔"

تشریح : آیت ہذا میں وَاَرْجُلَکُمْ جو پاؤں کے معنے دیتے ہے معطوف ہے اور چونکہ اس کے آخری حرف یعنی لام پر زبر ہے اس لیے اس کا عطف ضرور اَیْدِیَکُمْ پر ہے۔ کیونکہ اس میں بھی آخری حرف یعنی یائے دونقطیہ پر زبر ہے، پہلے خوب واضح ہوچکا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک طرح پر ہوا کرتے ہیں۔ جب وَاَرْجُلَکُمْ کا عطف اور تعلق اَیْدِیَکُمْ کے ساتھ ثابت ہوچکا ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی خوب ثابت ہوگیا کہ جیسے وہ دھوئے

جاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی دھوئے جائیں گے، کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں ایک ہی فعل سے تعلق رکھتے ہیں اور یہاں وہ فعل دھونے کا فعل ہے۔ پس قرآن کریم کی نص صریح سے ثابت ہوگیا، کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔

شیعی اعتراض

اس دلیل پر شیعہ کی جانب سے جو اعتراض کیا گیا ہے اور جسے یہ لوگ مدت ہائے دراز سے بیان کررہے ہیں وہ بُعد اور قرب کا ہے۔ کہتے ہیں کہ رُؤُوْسِکُمْ نزدیک ہے اس لیے وہ معطوف علیہ بننے کے قابل ہے اور اَیْدِیَکُمْ دور ہے اس لیے وہ معطوف علیہ بننے کے لائق نہیں ہے۔

❁ الجواب ❁

شیعہ معترضین نے عرب کی زبان کو اپنی زبان پر قیاس کرلیا ہے، عرب کی زبان کے علاوہ دنیا کی جس قدر زبانیں ہیں ان میں عطف نزدیک پر ہوتا ہے دور پر نہیں ہوتا، برخلاف ان کے عرب کی زبان ایک ایسی زبان ہے جس میں عطف جیسا کہ نزدیک پر ہوتا ہے ایسا ہی دور پر بھی ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ عرب زبان حرکات یعنی زبر، زیر، پیش، سکون، تنوین کے زیور سے آراستہ ہے، یہ زیورات معنے میں گڈمڈ ہونے نہیں دیتے اور باقی زبانیں اس قسم کے زیورات سے عاری ہیں اس لیے ان میں عطف اگر دور پر ہوتو معانی میں گنجلک پیدا ہوجاتی

ہے ،اور فاعلیت اور مفعولیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا ۔اور عربی زبان میں عطف چاہے جس قدر دور پر ہو معنے میں کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی کہ زبر، زیر، پیش معانی کے محافظ اور پہرہ دار موجود ہیں ۔قرآن حکیم کے اندر بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں جہاں عطف دور پر ہے ۔اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مضمون میں صرف ایک مثال پر اکتفاء کی جاتی ہے ۔آٹھویں پارہ کی سورۂ اعراف ملاحظہ ہو حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ شروع کیا تو فرمایا :لقد ارسلنا نوحاً الی قومہٖ اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے قصے یکے بعد دیگرے ذکر فرمائے ہیں اور سب کا عطف نوح علیہ السلام پر کیا ہے، اسی واسطے جملہ اَرْسَلْنَا دوبارہ ذکر نہیں فرمایا ۔اب ناظرین باانصاف سے انصاف کی طلب ہے قرآن کھول کر دیکھیں معطوف اور معطوف علیہ میں کس قدر دوری ہے، کیا اَرْجُلَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ میں زیادہ فاصلہ ہے؟ یا کہ شُعَیْباً اور نُوحاً میں زیادہ مسافت ہے ؟

ہاں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جس وقت عطف دور پر ہو تو جو چیز اجنبی درمیان میں آ گئی ہے اس کا کوئی نہ کوئی نکتہ بیان کرنا ضروری ہے سو یہاں مغسولات کے مابین مسح کا ذکر وضو کی ترتیب میں سمجھانے کے لیے ہے ۔

❁❁❁

❁ دوسری سُنّی دلیل : فروغ کافی جلد اول ص۱۲ مطبوعہ طہران واستبصار جلد اول ص ۲۸ (طبع جدید جلد ۱۹، صفحہ ۷۴)

"عن ابی عبدالله علیه السلام قال ان نُسیت فغسلت ذراعیک قبل وجهک فاعد غسل وجهک ثم اغسل ذراعیک بعد الوجه فان بدءت بذراعک الایسر قبل الایمن فاعدغسل الایمن ثم اغسل الیسار وان نسیت مسح راسک حتیٰ تغسل رجلیک فَامسح رَاسَکَ ثُم اَغسِل رِجلیکَ .

حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں اے مخاطب اگر تو بھول جائے اور چہرے سے پہلے دونوں بازو دھو بیٹھے، پس چہرے کو دوبارہ دھولو، اس کے بعد دونوں بازوؤں کو دھولو، پھر اگر دائیں بازو سے پہلے بائیں بازو دھو بیٹھو ،تو دوبارہ پہلے دائیں بازو اور اس کے بعد بائیں بازو دھولو اور اگر تو سر کا مسح بھول جائے یہاں تک کہ دونوں پاؤں دھو بیٹھے تو پہلے سر کا مسح کرلو ،اس کے

بعد دونوں پاؤں کو دھولو۔"

نوٹ : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث وضو میں پاؤں دھونے پر نص صریح ہے، جو شخص حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عقیدت مندی رکھتا ہے، اس کے لیے مجال انکار نہیں ہے۔

۞ تیسری سُنّی دلیل : دیکھو فروع کافی جلد اول مطبوعہ تہران صفحہ ۱۰

(فروع کافی طبع جدید جلد ۳، صفحہ ۲۹ تہران)

"عن ابی جعفر علیه السلام قال سئلتهٗ من الاقطع الید و الرجل قال یغسلهما. امام محمد باقرؓ سے مروی ہے میں نے آپ سے ہاتھ کٹے اور پاؤں کٹے ہوئے کے بارے سوال کیا ارشاد ہوا کہ ہاتھ بھی دھووے اور پاؤں بھی دھووے۔

تشریح : اَقطعُ الیَدِ وہ شخص ہے جس کا ہاتھ کہنی سے آگے کٹ گیا ہے، سوال یہ ہے کہ وضو میں جب بازو کا کہنی تک دھونا فرض ہے تو جس کے بازو نہیں ہے وہ کس طرح وضو کرے، حضرت امام نے فرمایا کہ جہاں سے ہاتھ کٹا ہوا ہے اس مقام کو دھویا کرے۔ اور اَقطَعُ الرِّجل وہ شخص ہے جس کا پاؤں ٹخنے سے نیچے کٹ گیا ہے، سوال یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور جس کے

پاؤں نہیں وہ کیا کرے، حضرت امام نے ارشاد فرمایا کہ جہاں سے پاؤں کٹا ہوا ہے اس مقام کو دھولے بس وضو ٹھیک ہے۔ اگر امام رضی اللہ عنہ کے نزدیک پاؤں کا مسح فرض ہوتا تو سائل کو ارشاد فرماتے کہ جہاں سے پاؤں کٹا ہوا ہے وہاں پر مسح کرلے۔

۞امام پنجم حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی وضو میں پاؤں دھونے کے لیے نص صریح ہے۔۞

۞ چوتھی سُنّی دلیل : ملاحظہ و استبصار جلد اول صفحہ ۳۴

(طبع جدید جلد اول صفحہ ۶۵، ۶۶ تہران)

"عن محمد بن الحسن الصفار عن عبدالله بن المنبه عن الحسين بن علوان عن عمرو بن خالد عن زيد بن علي عن اٰبائهٖ عن عليّ عليه السلام قال جلست اتوضا فاقبل رسول الله ﷺ حين ابتدء ت في الوضوء فقال لي تمضمض واستنشق واستن ثم غسلت وجهي ثلاثاً فقال يجزيك من ذلك المرتان قال فغسلت ذراعي فمسحت براسي مرّتين فقال

قد یجزیک من ذلک المرة وغسلت قدمی فقال لی یاعلیّ خلک بین الاصابع لاتخلل بالنّار.

محمد بن حسن صفار عبداللہ بن منبہ سے روایت کرتا ہے وہ حسین بن علوان سے وہ عمر بن خالد سے وہ زید بن علی سے وہ اپنے باپ دادا سے وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: فرمایا میں وضو کے لیے بیٹھا تھا کہ خدا کے رسول ﷺ تشریف لائے جس وقت میں نے وضو شروع کیا، تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کلی کر اور ناک میں پانی ڈال اور مسواک کر اس کے بعد میں نے تین دفعہ اپنے چہرے کو دھویا تو آپؐ نے فرمایا دو ہی دفعہ کفایت کر جاتا ہے، پھر میں نے دونوں بازوؤں کو دھویا، پھر دو دفعہ سر کا مسح کیا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا، ایک ہی دفعہ کافی ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اور میں نے دونوں قدم دھوئے تو آپؐ نے فرمایا اے علی انگلیوں میں خلال کر، ان میں آگ سے خلال نہیں کیا جائے گا۔"

تشریح : حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ وضو کرنے والے ہیں

اور آنحضور ﷺ نگرانی کرنے والے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: جب میں نے دونوں پاؤں دھوئے تو آں حضور ﷺ نے خلال کرنے کی تاکید کی، اور ساتھ خلال نہ کرنے کی صورت میں جو وعید آتی ہے وہ بھی بیان فرمادی کہ اگر پاؤں کی انگلیوں کا خیال نہ کرو گے تو قیامت کے دن دوزخ کی آگ ان کا خلال کرے گی، اس موقع پر قارئین کرام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا خلال نہ کرنے کی صورت میں جو وعید آئی ہے یہ تو بہت بھاری وعید ہے اور قصور معمولی اور ہلکا سا ہے، مگر جب مسئلہ کی نزاکت کو خیال میں لائیں گے تو یہ شبہ فی الفور کافور ہوجائے گا، یہ انگلیوں کا خلال مسنون ہے مگر یاد رہے کہ وضو میں جس قدر سنتیں ہیں وہ فرائض کی تکمیل کرتی ہیں، پاؤں دھونا فرض ہے اور اگر پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کوئی جگہ خشک رہ جائے، تو یہ فرض ادا نہیں ہوگا، اور تمام وضو بے کار اور بے فائدہ ہوجائے گا، اس لیے یہ وعید ترک سنت پر نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ وعید نقصان فرض پر ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ کی یہ حدیث بھی وضو میں پاؤں دھونے پر نص صریح ہے اور یہ حدیث بظاہر ایک دلیل ہے، مگر حقیقت میں یہ دو دلیلیں ہیں، کیونکہ حضرت علیؓ کا عمل ایک مستقل دلیل ہے اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تصدیق دوسری مستقل دلیل ہے۔

یہ ہیں اہل سنت والجماعت کے پانچ دلائل جن میں خدا کی کتاب

نمبر اول ہے اور اس کے بعد حضرت امام محمد باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ اور علی المرتضےؓ اور جناب رسول خدا ﷺ کی احادیث مقدسہ ہیں۔ ناظرین کرام ہی انصاف سے کہہ دیں کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور اہل بیت کی احادیث جبکہ اہل سنت کے حق میں ہیں تو شیعہ کا پروپیگنڈا کہ یہ لوگ اہل بیت کے دشمن ہیں اور ان کے مذہب کے برخلاف ہیں کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔ ؎

بروز حشر شود ہم چو روز معلوم ت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

❁ عقل کی تائید ❁

آدمی کے اعضاء میں سے وہ عضو جو زمین سے نزدیک ہے اور جس پر ہر وقت مٹی پڑتی رہتی ہے، اور جو ہر قسم کی نجس اشیاء سے ملوث ہوتا رہتا ہے، وہ پیر ہے، اگر وضو میں اس کے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر چہرے اور بازوؤں کے دھونے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو زمین سے دور رہتے ہیں اور پلید چیزوں سے ان کے ملوث ہونے کے امکانات ان میں بہت کم پائے جاتے ہیں، جب چہرے اور بازوؤں کا دھونا فرض ہے تو پاؤں کا وضو میں دھونا تو بطریق اولی فرض ہونا چاہیئے، شیعہ بھائی اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ تمام احکام شرعیہ کی مدار

عقل پر ہے، اور عقل ہی شریعت کا قطب ہے اصول کافی ص ۲۔ پس تعجب ہے کہ وضو کے باب میں آ کر عقل سے کیوں انحراف کیا ہے؟ کیا میرے شیعہ بھائیوں کے نزدیک وضو احکام شریعت میں سے نہیں؟ تو پھر عقل سے کنارہ کشی اپنے اصول موضوعہ کے خلاف ہوگی۔

❁ ایک لطیفہ ❁

پاؤں کا ملوث ہونا ایک ایسی چیز ہے کہ جس نے پھر پھرا کر شیعہ کو پاؤں دھونے پر مجبور کر دیا ہے، عموماً آپ دیکھیں گے کہ شیعہ بھائی جب وضو کرنے لگتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے پاؤں دھو لیتے ہیں، کتب شیعہ دیکھو تو پاؤں کا دھونا نہ سنت ہے نہ مستحب ہے بلکہ بعض روایات سے ان کی معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا منع ہے۔ مگر عوام شیعہ مجبور ہیں کہ پاؤں کو دھوئیں، کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ پاؤں کے ساتھ مٹی لگی ہوئی ہے اور پاؤں ملوث ہے تو ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ اسی حالت میں نماز پڑھ لیں۔ یہ ہے فطرت کی آواز اور یہ ہے عقل کا تقاضا۔ اگر کوئی شیعہ انصاف کرے، تو اسی ایک مسئلہ سے شیعہ مذہب کا غلط ہونا سمجھ سکتا ہے بھلا وہ بھی کوئی آسمانی مذہب ہوسکتا ہے جو عبادت کے لیے چہرے اور بازوؤں کے دھونے کا حکم دے اور پاؤں کو آزاد کر دے؟

❁❁❁

❁ اختلاف ششم ❁

تین دفعہ دھونے کا مسئلہ: اہل سنت والجماعت کے یہاں جو اندام دھوئے جاتے ہیں وہ تین تین دفعہ دھوئے جاتے ہیں ایک ایک دفعہ دھونا فرض اور تین تین دفعہ دھونا مسنون ہے، چہرہ دھوتے ہیں تو تین دفعہ اور پاؤں دھوتے ہیں تو پورے تین دفعہ، مگر شیعہ حضرات اس مسئلہ میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ ایک دفعہ دھونے چاہئیں، تین تین دفعہ ہرگز نہ دھونا چاہئے، اگر کوئی شخص تین تین دفعہ دھوئے گا تو وہ سخت گناہ گار ہوگا، البتہ دو دو دفعہ دھونے میں شیعہ علماء باہمی اختلاف رکھتے ہیں کچھ مجتہد ان کے دو دو دفعہ دھونے کو جائز جانتے ہیں، مگر شیخ صدوق جیسے محقق علمائے شیعہ دو دو دفعہ دھونے کو بھی گناہ جانتے ہیں، اس مسئلہ میں شیعہ علماء کی خدمت میں ایک عرض ہے جو خاص لائق توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں داخل کرنا ان کے نزدیک مسنون ہیں اور کلی بھی تین دفعہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ناک میں پانی داخل کرنے کا بھی تین تین دفعہ دیتے ہیں اور چہرہ دھونا فرض ہے اور بازوں دھونے فرض ہیں، انہوں نے کیا قصور کیا ہے کہ تین تین دفعہ دھونا منع ہو گیا، اور بقول شہید ثانی دو دو دفعہ دھونا مسنون ہوا، اور بقول شیخ صدوق دو دو دفعہ دھونا بھی گناہ ہو گیا، خدا نہ بھلائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح چہرے اور پاؤں

دھونے کے دھونے اور مسح کرنے میں عقل سے بے پروائی برتی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی کلی کرنا تو تین دفعہ ارشاد فرمایا اور چہرہ دھونا جو کہ فرض تھا صرف ایک دفعہ۔ دیکھو **من لایحضرہ الفقیہ** جلد اول ص ۱۴: (طبع جدید جلد ۱، ص ۲۵ تہران)

"وقال الصادق عليه السلام والله ما كان وضوء رسول الله ﷺ الا مرة مرة

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم نہیں تھا رسول اللہ ﷺ کا وضو مگر ایک دفعہ۔"

نوٹ: حدیث مذکورہ بالا کو شیخ صدوق نے معمول بہ قرار دیا ہے اور جن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اعضاء دھونے کے قابل ہیں، انہیں دو دو دفعہ دھویا جائے، ان احادیث کی تاویلات سے شیخ صدوق نے اپنی کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" کو مزین کیا ہے۔

❁❁❁